

احادیث زیارت کی صحت پر ناقابل تردید دلائل

زیارت روضۃ رسول ﷺ



تصنیف :

فضیلہ اشیح محمد سعید رملوح

ترجمہ :

علامہ محمد عباس رضوی

عالمی دعوتِ اسلامیہ

۱۔ فصیح روڈ، اسلامیہ پارک لاہور

اللہ و آلہ
صلی علیہم
وآلہم
وسلم

زیارت رسول

احادیث زیارت کی صحت پر
ناقابل تردید دلائل

تصنیف:

فضیلۃ الشیخ محمود سعید مدوح

ترجمہ:

علامہ محمد عباس رضوی

عالمی دعوتِ اسلامیہ

۱۔ فصیح روڈ۔ اسلامیہ پارک لاہور فون، ۳۰۰۳۰۳

نام کتاب ————— رفع المناره لمتخرج احاديث التوسل والزيارة

تصنيف ————— شيخ محمود سعيد ممدوح (دبی)

ترجمہ کا نام ————— زیارت روضہ رسول

مترجم ————— علامہ محمد عباس رضوی (گوجرانوالہ)

ممبر مرکز تحقیقات اسلامیہ

ابتدائیہ ————— مفتی محمد خاں قادری

طابع ————— محبوب الرسول قادری

اشاعت بار اول ————— دسمبر ۱۹۹۷

ناشر ————— مرکز تحقیقات اسلامیہ

فہرست

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	ابتدائیہ	۱
	زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ امت	۲
	شارح مسلم امام نووی	۳
	امام ابن الجہام حنفی	۴
	قرآن حکیم اور مسئلہ زیارتِ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۵
	علامہ ابو بکر المرغنی کی گفتگو	۶
	عموم آیت پر شیخ محمد بن صالح کا اعتراض	۷
	شیخ عثمانیہ کے اعتراض کا تجزیہ	۸
	کلمہ "اذ" مستقبل کے لیے بھی آتا ہے۔	۹
	وصال کے بعد آپ کے بخشش کی سفارش کرنے پر دلائل	۱۰
	انبیاء قبور میں زندہ ہیں۔	۱۱
	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا۔	۱۲
	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کو جماعت کروائی۔	۱۳
	تمہارے بُرے اعمال پر میں بخشش طلب کروں گا۔	۱۴
	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاءِ مغفرت ہر مسلمان کو حاصل ہے۔	۱۵
	اعتبار سبب کا نہیں بلکہ عموم الفاظ کا کیا جاتا ہے۔	۱۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۷	تفاسیر اور کتب مناسک کی استدلال پر تائید	۱۷
۱۸	تمام امت کے نیک اعمال کا اجر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پارہے ہیں۔	۱۸
۱۹	احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور زیارت نبوی۔	۱۹
۲۰	تنبیہ	۲۰
۲۱	قائدہ	۲۱
۲۲	زیارت اور اجماع امت	۲۲
۲۳	کلام آئمہ کی غلط تاویل اور اس کا رد	۲۳
۲۴	ایک لاکھ نماز کا ثواب چھوڑ کر ہزار نماز کا ثواب لینے کون جاتا ہے۔	۲۴
۲۵	کیا مسجد نبوی کی طرح مسجد اقصیٰ کا بھی قصد کیا جاتا ہے۔	۲۵
۲۶	لائتشدالرحال کا صحیح مفہوم	۲۶
۲۷	الحافظ الامام ابن حجر عسقلانی	۲۷
۲۸	امام حافظ ابو زرعة العراقی	۲۸
۲۹	حافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلہی العلانی۔	۲۹
۳۰	ابن تیمیہ کی سب سے بڑی دلیل کا تفصیلی رد	۳۰
۳۱	مسئلہ نحوی قاعدہ	۳۱
۳۲	حدیث سے اس معنی کی تائید	۳۲
۳۳	علامہ کرمانی	۳۳
۳۴	حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی (فتح الباری ۴/۶۶) میں فرماتے ہیں۔	۳۴
۳۵	روضہ اطہر کائنات کی تمام جگہوں سے افضل ہے۔	۳۵
۳۶	حضرت امام قاضی عیاض الشافعی میں فرماتے ہیں۔	۳۶

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	دوسری وجہ	۳۷
	سفر مطلوب کے دونوں اسباب زیارت نبوی میں ہیں۔	۳۸
	کسی جگہ کی تعظیم کے لیے سفر منع ہے۔	۳۹
	اہم ٹوٹ	۴۰
	تیسری وجہ	۴۱
	امام ابن بطلال نے فرمایا	۴۲
	امام ابوسلیمان الخطابی فرماتے ہیں۔	۴۳
	امام نووی نے فرمایا	۴۴
	امام ابن بطلال نے فرمایا	۴۵
	امام نووی فرماتے ہیں	۴۶
	امام ابو محمد بن قدامر المقدسی الحنبلی فرماتے ہیں	۴۷
	امام الحرمین نے فرمایا۔	۴۸
	نذر پر حمل کرنے والوں کے دلائل۔	۴۹
	مسجد قبا میں دو رکعتیں بیت المقدس کے سفر سے افضل ہیں۔	۵۰
	مسجد قبا دنیا کے کسی کنارے پر بھی ہوتی ہم پھر بھی زیارت کے لئے جاتے۔	۵۱
	حضرت عمر راوی ہونے کے باوجود یہ فرما رہے ہیں۔	۵۲
	حضرت ابو ہریرہ نے راوی ہونے کے باوجود طور کا سفر کیا۔	۵۳
	تخریج احادیث الزیادہ	۵۴
	انہیں مجہول قرار دینا مردود ہے	۵۵

صفحہ	عنوان	تمبر شمار
	پندرہ راویوں کی روایت کے بعد بھی جہالت	۵۶
	راوی مستور الحال بھی نہیں	۵۷
	ابن عبد العادی کا جواب	۵۸
	جواب کا تفصیلی رد	۵۹
	حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں	۶۰
	امام ابن حجر عسقلانی نے تعقب کرتے ہوئے فرمایا۔	۶۱
	امام ذہبی فرماتے ہیں۔	۶۲
	دوسری بات	۶۳
	جن محدثین نے کہا کہ اس نے علیہ اللہ بن عمر (المصنف) الحافظ ثقہ	۶۴
	سے روایت کی ہے وہ یہ ہیں۔	
	فصل	۶۵
	جنہوں نے عبد اللہ بن عمر العمری المکی سے روایت کی وہ یہ ہیں۔	۶۶
	فصل	۶۷
	حافظ عراقی نے فرمایا۔	۶۸
	فصل	۶۹
	منکر کے دو شرائط	۷۰
	حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔	۷۱
	فصل	۷۲
	فصل	۷۳
	اسے حافظ ابو علی بن السکن نے صحیح قرار دیا ہے۔	۷۴

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	فن حدیث سے آگاہ شخص یہ اعتراض کر ہی نہیں سکتا۔	۷۵
	ابن تیمیہ نے (المنہاج ۲ / ۱۲۲) میں کہا۔	۷۶
	عبداللہ بن عمر العمری کا مقام	۷۷
	فصل	۷۸
	ابن حبان جرح میں متشدد ہیں۔	۷۹
	اعتراض و جواب	۸۰
	ترک کا معنی روایت نہ لینا بھی ہے۔	۸۱
	فصل	۸۲
	دو وجوہ سے محل نظر	۸۳
	امام سخاوی کا اہم نوٹ۔	۸۴
	فصل	۸۵
	امام ابن معین کی توثیق	۸۶
	فصل	۸۷
	عبداللہ بن عمر العمری کی توثیق پر آئمہ محدثین کی تصریحات۔	۸۸
	امام ابن عدی نے (الکامل ۳ / ۱۴۶۱) میں فرمایا۔	۸۹
	فصل	۹۰
	تنبیہ	۹۱
	دوسری حدیث۔	۹۲
	فصل	۹۳
	اعتراض و جواب	۹۴

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	اہم نوٹ	۹۵
	تیسری حدیث	۹۶
	حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس حدیث کی دوسری سند	۹۷
	چوتھی حدیث	۹۸
	پانچویں حدیث	۹۹
	اللہ کی مدد سے عرض کرتا ہوں۔	۱۰۰
	تین آئمہ حدیث کا صحت حدیث پر اتفاق	۱۰۱
	ابن تیمیہ کا رد	۱۰۲
	چھٹی حدیث	۱۰۳
	ساتویں حدیث	۱۰۴
	آٹھویں حدیث	۱۰۵
	نویں حدیث	۱۰۶
	دسویں حدیث	۱۰۷
	گیارہویں حدیث	۱۰۸
	بارہویں حدیث	۱۰۹
	تیرہویں حدیث	۱۱۰
	چودھویں حدیث	۱۱۱
	پندرہویں حدیث	۱۱۲
	سولہویں حدیث	۱۱۳
	تختہریں حدیث	۱۱۴

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	سترھویں حدیث	۱۱۵
	اٹھارویں حدیث	۱۱۶
	حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	۱۱۷
	حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ	۱۱۸
	حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث۔	۱۱۹
	حدیث عبد اللہ بن عمر بن العاص کی روایت۔	۱۲۰
	حدیث علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت۔	۱۲۱
	حدیث ابوالجعد الضمیری کی روایت	۱۲۲
	حدیث واثلہ بن الاسقع کی روایت	۱۲۳
	حدیث مقدم بن معدی کرب اور حضرت ابوامامہ کی روایت	۱۲۴
	حدیث عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت۔	۱۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ابتدایہ

مفتی محمد خاں قادری

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے۔

اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں

تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس آئیں پھر وہ اللہ سے

معافی مانگیں اور رسول اللہ انکے

لیے سفارش کر دے تو وہ اللہ کو توبہ

قبول کرنے والا اور رحم فرمانے

والا پائیں گے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا

أَنْفُسَهُمْ جَاءُواكَ

فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ

لَهُمُ الرَّسُولَ لَدِجِدُوا

اللَّهُ تَوَّابًا رَّحِيمًا

(النساء)

اس آیت سے واضح ہے کہ بارگاہِ نبوی کی حاضری ہر مسلمان کے

لیے عظیم نعمت و فضیلت کا درجہ رکھتی ہے خواہ وہ قریب کا رہنے والا ہو یا

بعید کا،

اسکی فضیلت و جواز پر متعدد احادیث نبوی بھی عادل شاہد ہیں مثلاً،

جس نے روضہ اقدس کی زیارت

کی اس کے لئے میری شفاعت

ثابت ہوگی۔

من زائر قبری

وجبت له شفاعتی

صحابہ سے لے کر آج تک امت مسلمہ کے تمام مفسرین، محدثین اور

فقہاء حاضری دیتے آئے اور ہر مسلمان وہاں کی حاضری کے لئے تڑپتا اور

دعا گو رہتا ہے مگر کچھ کچھ فہم لوگ اس کی مخالفت کرتے ہوئے کسی بات کو تسلیم

کرنے کے لئے تیار نہیں، آیت مبارکہ ان کے سامنے پڑھو تو کہہ دیں گے یہ بات صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات تک مخصوص ہے وصال کے بعد یہ حکم ختم ہو گیا حالانکہ امت کے ہر مفسر قرآن نے اس حکم کو عام تسلیم کیا اور کہا یہ تاقیامت امت مسلمہ کے لئے خوشخبری ہے،

احادیث بیان کرو تو کہیں گے یہ تمام جعلی بناوٹی اور موضوع ہیں، سب سے پہلے یہ بات شیخ ابن تیمیہ نے کہی تو ان کا رد اس وقت کے عظیم محدث امام سبکی نے کہا اس موضوع پر مکمل کتاب "الشفاء السقام فی زیارة خیر الانام" تحریر کی۔ ہمارے دور میں بھی کچھ لوگوں نے زیارت کے بارے میں وارد احادیث مبارکہ پر اعتراضات اٹھائے اس کے جوابات کی اشد ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ عرب کے مشہور محدث شیخ محمود سعید حمدوح (دبئی) کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس موضوع پر لا جواب کام کر دیا، انہوں نے صرف احادیث زیارت پر ہی کام نہیں کیا بلکہ احادیث تو سل یہ بھی کام کر دیا۔ انہوں نے اس اہم موضوع پر "رفع المنارة لتخریج احادیث التوسل والزیارة"، لکھ کر امت مسلمہ پر عظیم احسان کیا ہے جیسے ہی یہ کتاب مولانا حافظ عبدالکریم رضوی کے واسطے سے بندہ کو ملی اسی وقت اس کی اشاعت و ترجمہ کا ارادہ کر لیا، علامہ محمد عباس رضوی (ممبر مرکز تحقیقات اسلامیہ) سے ذکر ہوا تو انہوں نے ترجمہ کی ذمہ داری قبول فرمائی، بڑی محنت سے بہت جلد اس کا ترجمہ کر دیا بندہ نے اسے مکمل پڑھا مرحلہ کتابت کے بعد اشاعت کا وقت آپہنچا تو اپنے عظیم دوست الحاج محمد طفیل مدنی سے بات ہوئی کہ اس کی اشاعت جلدی ہوتی چاہیے۔ تاکہ اہم فریضہ کی ادائیگی ہو جائے انہوں نے شیخ وسیم الدین وحید الدین اور احمد نعمان سے رابطہ کر کے کتاب کے اہمیت واضح کی تو انہوں نے فی الفور اس کی طباعت کی ذمہ داری قبول کر لی،

اللہ تعالیٰ مصنف، مترجم اور معاونین کی اس خدمت کو قبول فرمائے، یاد رہے، کتاب کا زیارت والا حصہ شائع کیا جا رہا ہے تو سل والا ابھی باقی ہے ترجمہ کے بعد اس کی اشاعت الگ کی جائے گی۔

نوٹ:۔ عربی دان حضرات کے لیے ساتھ عربی متن بھی شائع کیا جا رہا ہے۔

شیخ محمود زطلہ کی چند دیگر تصانیف

یہاں شیخ محمود زطلہ کی دیگر چند تصانیف کا تذکرہ بھی ضروری ہے

۱۔ تبيين المسلم الى تعدى الباني على صحيح مسلم
 شیخ ناصر الدین البانی نے حدیث پر جو کام کیا اس میں جا بجا تضادات کی نشاندہی مختلف اہل علم نے کی ہے۔ اس سلسلہ میں یہاں شیخ حسن بن علی السقاف کا کام۔
 "تناقضات الالبانی الواضحات فيما وقع له في صحيح الاحاديث
 و تصحيحها من اخطاء و غلطات" قابل ذکر ہے وہاں شیخ محمود سعید
 ممدوح کا کام بصورت "تبيين المسلم الى تعدى الباني على صحيح مسلم"
 نہایت ہی قابل داد و تحسین ہے۔

مقدمہ میں اس کتاب کی غرض و غایت یوں تحریر کرتے ہیں:

فقد دقت على كلام الشيخ	میں شیخ البانی کے ایسے کلام پر آگاہ
الالبانی ضعف فيه جملة	بجز جس میں انہوں نے صحیح مسلم کی
من الاحاديث التي في صحيح	متعدد احادیث کو ضعیف قرار دینے
مسلم، فتكلم عليها بما يؤكد	ہوئے ایسی گفتگو کی جس سے امام مسلم کا
خطاه و يثبت خروجها	کا خطا ہی ہونا اور ان اصولوں سے
على ما قرره العلماء من صحته	نکلنا لازم آتا ہے جو علماء کے ہاں
و تلقوا القبول المفسد	مسلم اور مقبول ہیں۔ ان کا کلام

للعلم وکلامه یدعو الی
التشکیک فی صحیح الامام
مسلم و فیہ من الاعراب
والمخالفة والتعقیب علی
المتقدمین ما یؤم المفسرین
به انه استدرک علی
الائمة المتقدمین کالبخاری
ومسلم فضلاً عن
المتأخرین —————
وقد رأت ان السکوت
علی هذا التعدی ضیر
مقبول ویلحق العارف
به الاثم لذلك کتبت هذا
(التبئیہ) اذ قد یلعون
الله تعالی کل تعدیه علی
صحیح مسلم وقد سمیته
تنبیہ التلم الی تعدیک
الالبانی علی صحیح مسلم۔
(تنبیہ المسلم ، ۷-۸)

اس کتاب کے مطالعہ سے اس بات کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے کہ شیخ موصوف
کی علم حدیث اور اصول حدیث پر کتنی نظر ہے ؟

۲۔ الاعلام باستجاب شد الرحال لزيارة خير الانام

اس رسالہ اور مصنف کے بارے میں فضیلۃ الشیخ علی بن عبد اللہ بن مانع الحمیری مدیر عام دائرۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ دہلی تقدیم میں لکھتے ہیں:

وهذه رسالة جلیلة
للمحدث الفاضل محمود
سعید ممدوح جزاه
الله من الاسلام والمسلمين
خير الجزاء بما ينافع
من السنة المطهرة اسمها
الاعلام باستجاب شد
الرحال لزيارة خير الانام
عليه افضل الصلاة والسلام
جمع فيها خلاصتها ما قبل
في هذا المقام وادلى بدلوه
ليرضى حبيبه رسول الله
صلى الله عليه وسلم و
يشفي بها قلوب قوم مومنين
ويهدى بها قلوب المنكرين
والمكابرين بالحجة الدائغة

یہ محدث فاضل محمود سعید ممدوح
کا عظیم رسالہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں
اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے
جزائے خیر دے کیونکہ انہوں نے
اس سے سنتِ مطہرہ کا دفاع کیا
ہے اس کا نام انہوں نے الاعلام
باستجاب شد الرحال لزيارة خير الانام
عليه افضل الصلاة والسلام رکھا ہے
اس میں انہوں نے اس موضوع پر
دلائل کا خلاصہ بیان کر دیا ہے تاکہ
اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا
نصیب ہو۔ مومنوں کے دل سے
اس شفا پائیں اور منکرین اور مکابریں
کے دل حجتِ قاہرہ اور براہینِ مطہرہ
سے ہدایت پائیں۔

والدواہن الساطعة۔ (تقدیم للاعلام)

اسی کتاب کا اردو ترجمہ اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے، کے نام سے علامہ ممتاز احمد سدیدی نے کیا مرکز تحقیقات اسلامیہ نے ممئی ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔

۳۔ وصول التہانی باثبات سنیۃ البجۃ والرد علی البانی

شیخ ناصر الدین البانی نے ہاتھ میں تبیح لے کر ذکر کو بدعت قرار دیا یہ کتاب اس کے رو میں ہے کہ یہ عمل بدعت نہیں سنت ہے۔

۴۔ حاشیہ الترزیج لحدیث صلاۃ التبیح

کچھ لوگوں نے نماز تبیح کے حق میں وارد شدہ احادیث کے بارے میں کہا یہ احادیث قابل استدلال نہیں، اس موضوع پر حافظ ابن ناصر الدین دمشقی ۸۵۲ھ نے مکمل کتاب "الترزیج لحدیث صلاۃ التبیح" تحریر فرمائی یہ کتاب کافی عرصہ سے نایاب تھی شیخ محمود نے اسے تلاش کیا اور اس پر نفیس حاشیہ لکھ کر اسے کی اشاعت کی۔

اللہ تعالیٰ انہیں مزید خدمتِ دین کی توفیق دے۔

اسلام کا ادنیٰ خادم

محمد خاں قادری

مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور

زیارتِ قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

— اَوَّلُ —

اَللّٰهُمَّ اُمَّتٌ

۱۔ شارح مسلم امام نووی

امام ابو زکریا النووی (جن کے علم و فضل پر اتفاق ہے) فرماتے ہیں :
یہ جان لینا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت اہم تر بات
اور نیکیوں اور کامیاب مساعی میں سے ہے۔

جب حجاج اور عمرہ کرنے والے مکہ مکرمہ سے فارغ ہو کر واپس چلیں تو ان کے
لئے مستحب ہے کہ وہ مدینہ شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منورہ کی زیارت کی
طرف متوجہ ہوں اور زائٹہ کو چاہیے کہ زیارت تقرب کی نیت کرے اور اس کے
طرف کجاواکس کے یعنی قصد کر کے جائے اور اس مسجد نبوی میں نماز کی نیت بھی
کرے۔ (المجموع شرح المہذب، ۸: ۲۰۴)

اور ایسے ہی اپنی کتاب "الایضاح" میں مناسک حج کے ضمن میں فرمایا:
جب حجاج کرام اور عمرہ کرنے والے مکہ سے فارغ ہوں تو مدینۃ الرسول صلی
اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی طرف متوجہ ہوں۔
کیونکہ یہ بہت زیادہ قربات اور کامیاب مساعی (کوشش) ہے اور امام بنہ ارادہ
دارقطنی نے اپنی اپنی سند سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی
انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من زار قبری وجبت
لہ شفاعتی۔
جس نے میری قبر کی زیارت کی اس
کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(الایضاح ص ۲۱۴)

اور فقیہ امت ابن حجر اہمیشی نے اس حدیث پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرمایا:
یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حیات و وصال دونوں کو شامل
ہے اور ہر مذکورہ مؤنت کے لئے وہ دور سے یا قریب سے آئے ہر ایک کو شامل
ہے اور اس حدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کی قبر کی طرف سفر
کے مندوب ہونے اور اس کی طرف سفر کی فضیلت کے لئے استدلال کیا گیا ہے۔

(حاشیہ الايضاح ص ۲۱۴)

۲۔ امام ابن الہمام حنفی

محقق علی الاطلاق امام کمال بن الہمام حنفی "المقصد الثالث فی زیارت

قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں فرماتے ہیں:

ہمارے مشائخ (احناف) نے فرمایا کہ زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
افضل مندوبات میں سے ہے۔ مناسک فارسی اور شرح المختار میں ہے کہ صاحب
استطاعت پر یہ زیارت واجب کے قریب ہے۔ پھر اس کے بعد فرمایا:
اس بندہ ضعیف کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ محض زیارت قبر شریف کی نیت
کی جائے اور جب وہاں چلا جائے تو پھر مسجد شریف کی بھی زیارت کر کے یا پھر
دوسری مرتبہ دونوں (قبر شریف اور مسجد شریف) کی نیت کرے کیونکہ اس میں
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان اور اجلال زیادہ ہے۔

(فتح القیبر ۳/۱۴۹ - ۱۸۰)

اور اس پر علامہ انور شاہ کشمیری (دیوبندی) نے کہا۔

اور میرے نزدیک یہی حق ہے کیونکہ اسلاف سے ہزاروں لوگ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کی زیارت کے لئے سامان باندھ کر اور قصد کر کے جاتے تھے اور اس کو
بہت بڑی نیکیوں میں شمار کرتے تھے۔ اور ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ صرف

مسجد نبوی شریف کی زیارت کی نیت سے جاتے روضہ اطہر کی نیت نہ کرتے تھے باطل ہے بلکہ وہ قطعی طور پر قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی نیت کرتے تھے۔

رفیض الباری شرح صحیح البخاری ۲۰: ۲۳۳

ہم کہتے ہیں کہ اس کا کلام صحیح اور خوب ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ مکہ مکرمہ میں ایک لاکھ نماز کا ثواب چھوڑ کر اپنے مال و جان کو قربان کرنا اور مدینہ شریف کی طرف کرنا چہ معنی دارد؟ انہوں نے اس شہر کو کیوں چھوڑا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

واللہ انک خیر ارض اللہ
واللہ انک خیر ارض اللہ الی اللہ
اللہ کی قسم اے مکہ تو اللہ کی زمین سے
افضل ترین خطہ ہے اور اللہ کے نزدیک
تمام زمین سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

تو کیا ان لوگوں نے اس شہر کو صرف مسجد نبوی کی زیارت کے لیے ترک کیا جیسا کہ وہ (نجدی) کہتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ جن و انس ان کی مخالفت کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ سب حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر کرتے ہیں۔

اور ردالمختار شرح درالمختار میں ہے :

(قوله مندوبہ) مصنف کا قول کہ یہ زیارت مندوب و مستحب ہے یعنی تمام مسلمانوں کے اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ مندوب ہے جیسا کہ اللباب میں ہے۔

اور مصنف کا قول (بلکہ کہا گیا ہے کہ یہ واجب ہے) اس کو شرح اللباب میں ذکر کیا گیا ہے اور کہا کہ اس کو میں نے "الدرۃ النبویۃ فی زیارۃ المصطفویۃ" میں بیان کر دیا ہے۔

اور اسے علامہ خیر الدین الرملی نے "حاشیۃ المنجح" میں ابن حجر سے ذکر

کر کے اس کی تائید کی ہے۔

ہاں "اللباب" ، "فتح القدير" اور "شرح المختار" کی عبارت واضح کرتی

ہے کہ صاحب وسعت پر زیارت قریب الوجوب ہے۔

اور "فتح القدير" میں اس کو "ما ورد في فضل الزيارة" کے باب میں

ذکر کیا اور اس کی کیفیت و آداب بیان کرتے ہوئے کافی شرح و بسط سے کام لیا گیا

ہے اور ایسے ہی شرح المختار اور اللباب میں ہے۔

اور مصنف کا کہنا..... شروع کرے :

شرح اللباب میں فرمایا کہ امام حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی کہ جب

حج فرض ہے تو حاجی کے لئے بہتر ہے کہ وہ پہلے حج کرے پھر زیارۃ قبر نبوی صلی اللہ علیہ

وسلم کی طرف جائے اور اگر پہلے زیارت کرے تو بھی جائز ہے۔

(ردالمختار شرح درالمختار، ۲: ۲۵۷)

حضرت امام ملا علی القاری فرماتے ہیں :

حنابلہ میں سے ابن تیمیہ نے سخت زیادتی کی ہے کیونکہ اس نے زیارۃ قبر انسی

صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سفر کو حرام کہا ہے۔ جیسا کہ دوسروں نے افراط سے کام لیا

اور کہا کہ زیارت ایسی قربت اور نیکی ہے جو ضروریات دین میں سے ہے اور اس کا

منکر کافر ہے۔

لیکن دوسرا مؤلف اقرب الی الصواب ہے کیونکہ جس کام کو جمیع علمائے کرام

مستحب گردانیں اس کو حرام کہنا کفر ہی تو ہے اور یہ حرام کو مباح قرار دینے سے زیادہ

برا ہے جو کہ اس باب میں متفق علیہ ہے۔

(شرح الشفاء بمجاش نسیم الریاض، ۲: ۵۱۴)

حضرت امام قاضی عیاض فرماتے ہیں :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنے، سلام عرض کرنے اور دعائیں مانگنے کا طریقہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت مسلمانوں کی سنتوں (اعمال) میں سے ایسی سنت (عمل) ہے کہ جس پر اجماع ہے اور یہ ایسا فضیلت والا کام ہے کہ جس کی ترغیب دی گئی ہے، کے بارے میں فصل،

(الشفاء، ۲ : ۷۴)

اور ایک اور جگہ (۷۵/۲) امام ابن عبد البر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:

الزیارة صباحتا بین	لوگوں کے درمیان زیارت مباح
الناس و واجب شد	ہے (اس میں کوئی اختلاف نہیں)
المطی الی قبرة صلی اللہ	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ
علیہ وسلم۔	انور کی زیارت کے لیے سفر واجب

ہے۔

امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ یہاں واجب سے مراد مندوب کا واجب ہے اور زیادہ ترغیب و تاکید کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ وجوب فرض کے معنوں میں نہیں ہے۔

حضرت علامہ الدرر دیر شرح میں فرماتے ہیں :

وندب زیارة النبی	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت
صلی اللہ علیہ وسلم وہی	مندوب ہے اور بہت بڑی نیکیوں
من اعظم القربات	میں سے ہے۔

(۳۸۱ : ۲)

حضرت امام ابو محمد بن قدامہ المقدسی محقق مذہب حنابلہ فرماتے ہیں : نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ منورہ کی زیارت مستحب ہے کیونکہ امام قطبی

نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من حج قزار قبری بعد
وفاتی فکانما زارنی حیاتی۔
جس نے حج کیا اور میرے درصال
کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس
نے میری ظاہرہ زندگی میں زیارت کی۔

اور دوسری روایت میں ہے :

من زار قبری وجبت له
شفاعتی۔
جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے
لئے میری شفاعت ثابت ہوگئی۔

پہلی روایت کے الفاظ کو اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے :

حدثنا سعید ثنا حفص بن سلیمان عن لیث عن
مجاہد عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔

امام احمد نے عبداللہ بن یزید بن قبیط کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ما من احد یسلم علی رعد
قبری، الا رد اللہ علی
روحی حتی ارد علیہ
السلام۔
جب بھی کوئی شخص میری قبر انور کے
پاس سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری
روح مبارکہ کو میری طرف متوجہ فرماتا
ہے حتیٰ کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

اور جب کوئی ایسا شخص حج کرے کہ جس نے پہلے کبھی حج نہ کیا ہو۔ یعنی سوائے شام

لے سند امام احمد کی روایت میں عند قبری کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ مشافہ شریف عام ہے اس پر واضح
مکمل کلام فقیر کی تصنیف : العقیدۃ الصحیحۃ فی شرح حیاة الانبیاء : میں ملاحظہ فرمائیں ہر جرم عظم

کے راستے سے تو مدینے کے راستے سے سفر نہ کرے۔ خوف ہے کہ کہیں وہ ایسا کلام نہ کرے جو کہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس کو چاہیے کہ مکہ کا راستہ پکڑے کیونکہ وہ سفر تھوڑا ہے۔ اور وہ کسی اور مشاغل میں مشغول نہ ہو۔

اور امام عتبی سے روایت ہے کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھلے وقتہ انور کے پاس حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا:

السلام علیک یا رسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ہے۔

اور اگر وہ جب بھی اپنی جانوں پر ظلم کر	وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ
بیٹھیں تو اے پیارے محبوب تیری بارگاہ	جَاءُواكَ فَاسْتُغْفِرُوا اللَّهَ وَ
میں حاضر ہو جائیں اور اللہ سے بخشش طلب	اسْتَغْفَرُوا لَهُمُ الرَّسُولُ
کریں اور اللہ کا رسول بھی ان کے لئے	لَوْحِدُ وَاللَّهُ تَوَّابٌ رَحِيمٌ
استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا	

اور رحم کرنے والا پائیں گے۔

میں گناہ گار ہوں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں آپ سے شفاعت کا طلب گار ہوں۔

پھر اس نے یوں عرض کی:

فطاب من طیبهن القاع والاکرم	یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه
فیه العفاف و فیه الجود والکرم	لنفسی الفداء لقبانت ساکنه

(ترجمہ) اے زمین میں دفن ہونے والوں میں سب سے بہتر شخصیت! آپ کی خوشبو سے میدان اور فضا میں مغطر ہو گئیں۔

میری جان اس قبر مقدسہ پر قربان ہو جہاں آپ محو آرام ہیں۔ اس میں پاکیزگی اور اسی میں سراپا سخاوت و بخشش ہے۔ (اسی میں صاحب جود و کرم ہے)

۱۔ (نوٹ) یہ اشعار آج بھی مواجہہ شریفی کی طرف ستونوں پر لکھے ہوئے ہیں۔ (الحمد لله، مترجم غفرلہ)

پھر وہ اعرابی پلٹ گیا اور میری آنکھ لگ گئی۔ پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا

يا عتبی اَلْحَقُّ الْاَعْرَابِیُّ فَبَشِّرْهُ
ان اللہ غفرلہ۔
اے عتبی جلدی کر اس اعرابی کو مل اور
بشارت دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخشش

(المعنی، ۳: ۵۸۸-۵۸۹) دیا ہے۔

حضرت امام ابوالفرج ابن قدامہ الحنبلی شرح الکبیر میں فرماتے ہیں

مسئلہ: حاجی جب حج سے فارغ ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین (صدیق و عمر) کی قبور مقدسہ کی زیارت کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ النور کی زیارت مستحب ہے کیونکہ امام دارقطنی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من حج فزار قبری بعد
وفاتی فکانما زارنی فی حیاتی!
جس نے حج کیا اور میری قبر النور کی زیارت
کی میرے وصال کے بعد تو گویا اس
نے میری ظاہری حیات میں زیارت کی۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

من زار قبری وجبت له
شفاعتی۔
کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے
لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

اور امام احمد نے عبداللہ بن یزید بن قسیط عن ابی ہریرہ کی سند سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما من احد یسلم علی عند
قبری رد اللہ علی روحی حتی
جب بھی کوئی شخص میری قبر کے پاس
مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ

ارد علیہ السلام۔ میری روح کو میری طرف متوجہ فرماتا

ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب

دیتا ہوں۔

اس کے بعد امام عتبی کا مذکورہ بالا واقعہ بیان کیا۔

حضرت امام اشیح منصور البھوتی کتاب القناع میں فرماتے ہیں :

فصل : جب آدمی حج سے فارغ ہو تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبور مقدسہ کا کسی زیارت کرے کیونکہ اس سلسلہ میں حدیث وارد ہے جسے دارقطنی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من حج فزار قبری بعد جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد

وفاتی فکانما زارنی فی حیاتی میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے

میری ظاہرہ حیات میں میری زیارت کی۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے :

من زار قبری وجبت جس نے میرے روضہ کی زیارت کی

لہ شفاعتی۔ اس کے لئے میری شفاعت واجب

ہوگئی۔

پہلی روایت کے الفاظ سعید سے مروی ہیں۔

تنبیہ
شیخ ابن نصر اللہ نے کہا :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کا استحباب لازماً اس کی طرف شدہ حال کے استحباب کو مستلزم ہوگا کیونکہ حاجی کے لئے شدہ حال کے سوا یہ سفر ممکن نہیں ہے۔ استحباب زیارت کی تصریح ہی ہے۔

(کشاف القناع ۲/ ۵۱۲-۵۱۵)

اور پھر اس کے بعد امام عتبی کا قصہ بیان فرمایا :
اور مقنع کے متن میں ہے کہ :-

جب حج سے فارغ ہو جائے تو حاجی کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منور اور صاحبین کی قبور کی زیارت مستحب ہے۔

(المقنع ۲/ ۲۵۸)

اور ایسے ہی "المبدع" شرح المقنع لابن مفلح "میں ہے اور اس کو شارح نے مقرر رکھا بلکہ اس پر امام عتبی کا قصہ زیادہ کیا۔

امام ابوالحسن المرادوی فرماتے ہیں : ۲۵۸-۲۶۰

"ماتن کا قول ہے کہ وہ جب حج سے فارغ ہو جائے تو اس پر قبر انبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین کی قبور کی زیارت مستحب ہے۔"

یہی مذہب ہے اور اسی پر اصحاب علم و حجت متقدمین و متأخرین قائم ہیں۔

(الانصاف ۴ : ۵۳)

اور "زاد المستقنع مختصر المقنع" میں ہے۔

اور قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین کی قبور مقدسہ کی زیارت

(الروض المرعب ۱۵۲)

مستحب ہے۔

یہ خلاصہ ہے اس کا جو کچھ فقہاء مذاہب اربعہ نے مسئلہ زیارت میں بیان

اور اس سے معلوم ہوا کہ طلبِ زیارت وجوباً و ندباً پر ان سب کا اتفاق ہے۔ اور اس پر تاکید کرنے میں علماء نے سبقت کی ہے اور اس پر مسلمانوں کا عمل جاری ہے اور اہل عنایت کے لیے بقدر کفایت مذکور ہوا۔ اور مجتہدِ اہل سنت اس کو تسلیم کریں گے اور اس کی قدر کو پہچانیں گے اور اسی پر ٹھہریں گے۔

اور معرفتِ دلیل کا شوق رکھنے والوں کے لیے تو قائلینِ زیارت نے اپنے مطلوب پر قرآن و سنت اور اجماعِ امت سے استدلال کیا ہے۔



قرآن حکیم

اور

مسئلہ زیارتِ روضہ رسول ﷺ

قرآن حکیم اور سئلہ زیارہ روضہ رسول ﷺ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ

جَاءُواكَ فَاسْتَغْفَرُوا وَاللَّهُ وَ

اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجُّهُ

اللَّهُ تَوَّابًا رَّحِيمًا۔

اور جب کبھی بھی وہ اپنی جانوں پر ظلم

کر لیں تو آئیں آپ کے پاس، اللہ سے معافی

مانگیں اور رسول ان کی بخشش کے لئے

سفرارش کر دے تو وہ اللہ کو توبہ قبول

اور رحم کر نیوالا پائیں گے۔

یہ آیت کریمہ حیات و وصال دونوں حالتوں کو شامل ہے اور جس نے اس کو صرف
حالت حیات کے ساتھ مخصوص کر لیا وہ صحیح راستہ سے بھٹک گیا کیونکہ فعل سیاق شرط میں عموم
کا فائدہ دیتا ہے اور عموم کے لئے سب سے اعلیٰ صیغہ وہ ہے جو سیاق شرط میں

واقع ہو۔ (ارشاد الفحول، ۱۲۲)

اور ہمارے استاد علامہ محقق السید عبد اللہ بن صدیق الغامری رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا۔ یہ آیت عام ہے اور حالت حیات و وصال دونوں کو شامل ہے اور کسی ایک حالت
کے ساتھ اس کی تخصیص دلیل کی محتاج ہے۔ اور وہ یہاں مفقود ہے۔

اور کوئی کہے کہ یہاں عموم کہاں سے آیا کہ حالت حیات کے ساتھ اس کی تخصیص

دلیل کی محتاج ہو۔ تو ہم کہیں گے کہ یہاں فعل شرط کے ساتھ واقع ہوا ہے اور کتب اصول میں یہ اصول طے شدہ ہے کہ فعل جب شرط کے تحت واقع ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ فعل نکرہ کے معنی میں مصدر نکرہ کو متضمن ہوتا ہے اور نکرہ جب سیاق لفظی یا سیاق شرط سے واقع ہو تو یہ عموم کے لئے موضوع ہوگا۔

(الردالمحکم المتین، ۲۲۰)

پس یہ آیت شریفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر حالت میں آنے کی طلب میں نص ہے کیونکہ اس میں "جاء وک" مقام شرط میں واقع ہے جو کہ عموم پر دلالت کرتا ہے۔

اور مفسرین کرام نے اس آیت سے عموم ہی سمجھا ہے۔ اس لئے آپ ملاحظہ کریں گے کہ انہوں نے اس آیت کے تحت امام عتبی کی حکایت بیان کی ہے۔
امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔

علماء کی ایک جماعت کہ ان میں سے شیخ ابو النصر الصباغ ہیں، نے اپنی کتاب "الشامل" میں امام عتبی کی مشہور حکایت ذکر کی ہے کہ عتبی نے کہا:

میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ پس ایک اعرابی آیا اور عرض گزار ہوا

السلام علیک یا رسول اللہ میں نے سنا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا
وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ
وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا .

تو میں آپ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہوئے حاضر ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو شفیع بناتا ہوں۔ پھر اس اعرابی نے یہ اشعار پڑھے
یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ فطاب من طیبهن القاع والامہ

نفسی القبر انت ساکنہ فیہ العفاف و فیہ الجود والکرم
 پھر اعرابی لوٹا اور میری آنکھوں پر اونگھ غالب آئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ نے ارشاد فرمایا :
 اے عتبی اعرابی کو مل اور اسے بشارت دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش
 دیا ہے ۔

۱۰ تحریف :

اس قصہ کو امام نووی (جن کی فضیلت علم پر امت مجتمع ہے) نے اپنی کتاب "الاذکار"
 میں ذکر فرمایا ہے لیکن محقق نے امانت کا پٹہ گردن سے اتارتے ہوئے بہت بڑی خیانت
 سے کام لیا اور اس نغمہ سے اس قصہ کو ہی اجرت کر دیا۔ یہ محرف نسخہ "دار الہدیٰ"
 الریاض سے ۱۳۰۹ھ کو شائع ہوا ہے۔

ان لوگوں نے صرف اسی تحریف پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً
 امام نووی نے کتاب الاذکار میں ایک فصل اس عنوان سے شامل کی ہے "فصل فی
 زیارة قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اذکارھا" اعلم
 انه ینبغی لكل من حج ان یتوجه الی زیارة رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم سواء کان ذلك طریقة اولم یکن فان زیارة صلی اللہ
 علیہ وسلم من اہم القربات واربع المساعی و افضل الطلبات
 لیکن محقق نے تمام عبارت میں تحریف کر دی اور اپنی طرف سے یہ عبارت لکھ دی :
 فصل فی زیارة مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، اعلم انه
 یتحب من اراد مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یکثر
 من الصلوة علیہ صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی دونوں جگہ زیارت قبر اور زیارت رسول کی جگہ زیارت مسجد کر دیا۔

اور اگر یہ حکایت سند صحیح سے ثابت نہ بھی ہو تو بھی کوئی بات نہیں کیونکہ بے شمار
مفسرین کا اسے اس مقام پر بیان کرنا واضح کر رہا ہے کہ یہ آیت عموم کا فائدہ دیتی ہے۔
اور عرض اعمال "والی حدیث اس آیت کے عموم پر استدلال کی تائید کرتی ہے۔
اور اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

حیاتی خیرکم و مسااتی	اے میرے غلامو! میری حیات
خیرکم تحدثون و یحدث	تمہارے لئے بہتر ہے اور میرا وصال
کم و تعرض علی اعمالکم	بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم مجھ سے
فما وجدت خیراً حدث	گفتگو کرتے ہو اور میں تمہارے ساتھ
اللہ و ما وجدت غیر	گفتگو کرتا ہوں۔ اور تمہارے اعمال
دک استغفرت کم۔	مجھ پر پیش ہوتے ہیں پس ان کو اگر
	میں بہتر پاتا ہوں تو اللہ کی حمد بیان

(سلسلہ) امام نووی کی یہ عبارت تھی لیکن محقق نے عبارت میں تحریف کر کے اس طرح کر دی
اور یہ تعریف (ص ۲۹۵) میں ہے۔

اللہ کے احکامات کا مذاق اڑانے والو (سجدیو) اللہ سے ڈرو اور دیکھو یہ کس طرح باطل کے
ساتھ باطل کی مدد کرتے ہیں۔ اس شخص نے باطل کی مدد کی اور امام نووی اور مذہب شافعی پر جھوٹ باندھا
- ۴ -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔

اذا لم تستم فاصنع ما شئت بے حیا و بکاش ہرچہ خواہی کن

ایسے فراڈوں کی تفصیل ہمارے بھائی علامہ سید حسن بن علی السقا باعلوی (اللہ تعالیٰ

اس کی مدد فرمائے) نے اپنی کتاب "الاعاثہ" ص ۱۶ تا ۱۸ میں بیان فرمائی ہیں۔

کرتا ہوں اور اگر اس کے علاوہ پایا
تو تمہارے لئے اللہ سے بخشش طلب
کروں گا۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کا مفصل بیان ان شاء اللہ آگے آرہا ہے۔
آیت میں ایسے عموم کے باوجود جس میں کوئی شک نہیں کر سکتا ابن عبداللہادی
نے عجیب بات کہہ دی ہے کہ سلف و خلف نے اس آیت سے یہی سمجھا کہ صرف آپ کی
ظاہری حیات میں لوگ آکر سفارش کروائیں۔ (الصائم المنکی ص ۲۲۵)
مجھے ان کے قول پر اتنا تعجب ہے کہ دور ہونے میں نہیں آ رہا کیونکہ وہ تو سلف و
خلف ہر ایک کی شہادت کی نفی میں شہادت دے رہے ہیں اور انہوں نے صرف اسلاف
پر ہی بس نہیں کیا بلکہ خلف پر بھی تعدی کی ہے۔

لیکن جب ہم کتب تفاسیر و فقہ اور کتب مناسک کا جو کہ ہمارے سامنے ہیں
مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ تمام علماء نے اس آیت کو زیارت کے موقع پر بطور دلیل
ذکر کیا ہے۔

کاش ابن عبداللہادی اپنے مذہب کی ہی کتب اور فقہاء و حنابلہ کا اس آیت
سے استدلال ملاحظہ کر لیتے تو کبھی ایسی بات نہ کہتے لیکن سچ ہے کسی شے کی محبت
اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔

اور صدیوں سے حجاج کرام ہمیشہ زیارت کے لئے حج سے پہلے یا بعد آئے ہیں
ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں اور اس کا جواب پاتے ہیں اور
دعائیں مانگتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ ابن عبداللہادی کے دعوے کے رد کے
لیے تو مسلمانوں کا یہی عمل کافی ہے۔

اور مسلمان پر واجب ہے کہ وہ دلیل صحیح پر عمل کرے اور یہ نہ دیکھے کہ اس پر عمل کیا گیا ہے یا کہ نہیں۔

اور اس پر عمل سے صرف اس لئے روکنا شرع پر اقتراب ہے اور اس وجہ سے توقف کہ عمل نہ کرنا اس دلیل کے متعارض ہے تو یہ ان کا وہم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

فلا وربك لا يؤمنون حتى
يحكموك فيما شجر بينهم
ثم لا يجردوا في الفسهم
حرجاً مما قضيت و
يسلموا تسليماً۔

اے پیارے محبوب تیرے رب کی قسم
وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ جو
آپ حکم فرمائیں ان کے جھگڑوں کے درمیان
اس کو نہ مان لیں اور پھر وہ اپنے دلوں
میں حرج نہ پائیں جو کہ آپ فیصلہ فرمائیں
اور یوں تسلیم کریں جیسا کہ تسلیم کرنے

کا حق ہے۔

کسی مسئلہ پر دلیل آجاتے کے بعد یہ دیکھنا کہ اس پر عمل ہوا ہے یا نہیں؟
سوائے ضد اور ہٹ دھرمی کے کچھ نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ تخصیص بغیر دلیل کے نہیں ہو سکتی اور یہاں حرف شرع میں
تخصیص پر کوئی دلیل نہیں
علامہ ابوبکر المراغی کی گفتگو

اس آیت سے عموم پر استدلال کرتے ہوئے علامہ ابوبکر المراغی نے عمدہ بات

کہی کہ

”ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نیکی ہے کیونکہ اس کے بارے میں احادیث وارد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

ولو انهم اذ ظلموا الآية

جب بھی وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو وہ آپ کے حضور حاضر ہو جائیں اور وہ آپ کے حضور حاضر ہو جائیں اور اللہ سے بخشش طلب کریں اور رسول بھی ان کے لئے استغفار فرمائیں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پائیں گے۔

کیونکہ آپ کی تعظیم آپ کی وفات سے منقطع نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا صرف آپ کی ظاہرہ حیات کے ساتھ خاص تھا اور زیارت میں ایسے نہیں ہے کیونکہ بعض محققین علماء نے اس کا جواب دے دیا ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ثواب اور رحم پانے کے لیے تین امور کے ساتھ متعلق ہے۔

گناہ گار کا آپ کی خدمت میں آنا، استغفار کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لئے استغفار فرمانا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا تو تمام مسلمانوں کے لئے ہے کیونکہ آپ تمام مسلمانوں کے لئے استغفار فرماتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

واستغفر لذنبك وللمؤمنين
والمؤمنات .
اپنے لئے اور تمام مومن مرد اور عورتوں کے لئے

(سورہ محمد، ۱۹) کے لئے

پس جب اہل ایمان کا آپ کے پاس آنا اور آکر ان کا استغفار کرنا پایا جائے تو اب وہ تینوں امور پورے ہو گئے جو اللہ سے توبہ اور اس کے لیے ضروری تھے۔

اور تمام مسلمانوں کا زیارت قبور کے مستحب ہونے پر اجماع ہے جیسا کہ امام نووی نے ذکر فرمایا اور اہل ظواہر نے تو اس کو واجب قرار دیا ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی زیارت عموم و خصوص دونوں جہتوں سے مطلوب ہے جیسا کہ گذرا..... الخ۔

(ص ۱۰۲ - ۲۰۳)

اور اصل کلام امام تقی الدین السبکی کی "شفاء السقام فی زیارہ خیر الانام"

میں ہے۔

عموم آیت پر شیخ محمد بن صالح کا اعتراض

محمد بن صالح العثیمین (نجدی) نے اس آیت سے استدلال پر اعتراض کرتے ہوئے اپنے (فتاویٰ ۱/۸۹) میں لکھا ہے۔

(اذ) یہ ظرف ہے جیسا کہ گذرا لیکن ظرف مستقبل کے لئے نہیں بلکہ ماضی کے

لئے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ :

ولو انهم اذا ظلموا بلکہ "اذ ظلموا" فرمایا ہے پس آیت اس حکم کو واضح کرتی ہے جو کہ آپ کی حیات میں واقع ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات کے بعد استغفار۔ تو یہ ناممکن اور مشکل ہے کیونکہ جب شخص وفات پا جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، سوائے تین اعمال کے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

صدقہ جاریہ، علم نافع یا صالح اولاد جو کہ اس کے لیے دعا کرے۔ تو یہ انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ موت کے بعد کسی کے لئے استغفار کرے بلکہ وہ تو اپنے لئے بھی استغفار نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے اعمال منقطع ہو چکے ہیں :

شیخ عثیمین کے اعتراض کا تجزیہ

میرے نزدیک یہ عثیمین کی طرف سے بہت بڑی جسارت ہے ہم اللہ سے عافیت

مانگتے ہیں۔

کلمہ "اذ" مستقبل کے لئے بھی آتا ہے

(اذ) کا حرف زمانہ ماضی کے ساتھ اختصاص محل نظر ہے۔ کیونکہ کلمہ "اذ" جیسے فعل ماضی کے لئے استعمال ہوتا ہے ایسے ہی فعل مستقبل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کے کئی اور معانی بھی ہیں جنہیں ابن ہشام نے معنی اللبیت میں (۱: ۸۰-۸۳) میں ذکر کیا ہے۔

امام ازہری نے اذ کے مستقبل کے لئے مستعمل ہونے پر تصریح کرتے ہوئے "تہذیب اللغة" (۱۵: ۲۸) میں کہا اہل عرب (اذ) کو مستقبل اور (اذا) کو ماضی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

(سورہ سباء، ۵۱)

ولو تری اذ فزعوا۔

میں کہتا ہوں کہ اذ ان آیات میں مستقبل کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ولو تری اذ وقفوا علی النار۔ (الانعام، ۲۷)

ولو تری اذ وقفوا علی ربهم۔ (الانعام، ۳۰)

ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت۔ (الانعام، ۹۳)

ولو تری اذ المجرمون ناکسوا رؤسہم عند ربہم (السیچہ، ۱۲)

ان تمام آیات میں اذ مستقبل کے لئے استعمال ہوا ہے لہذا عیشیت کا یہ

کہنا کہ یہ صرف ماضی کے لئے استعمال ہوتا ہے غلط ہے۔

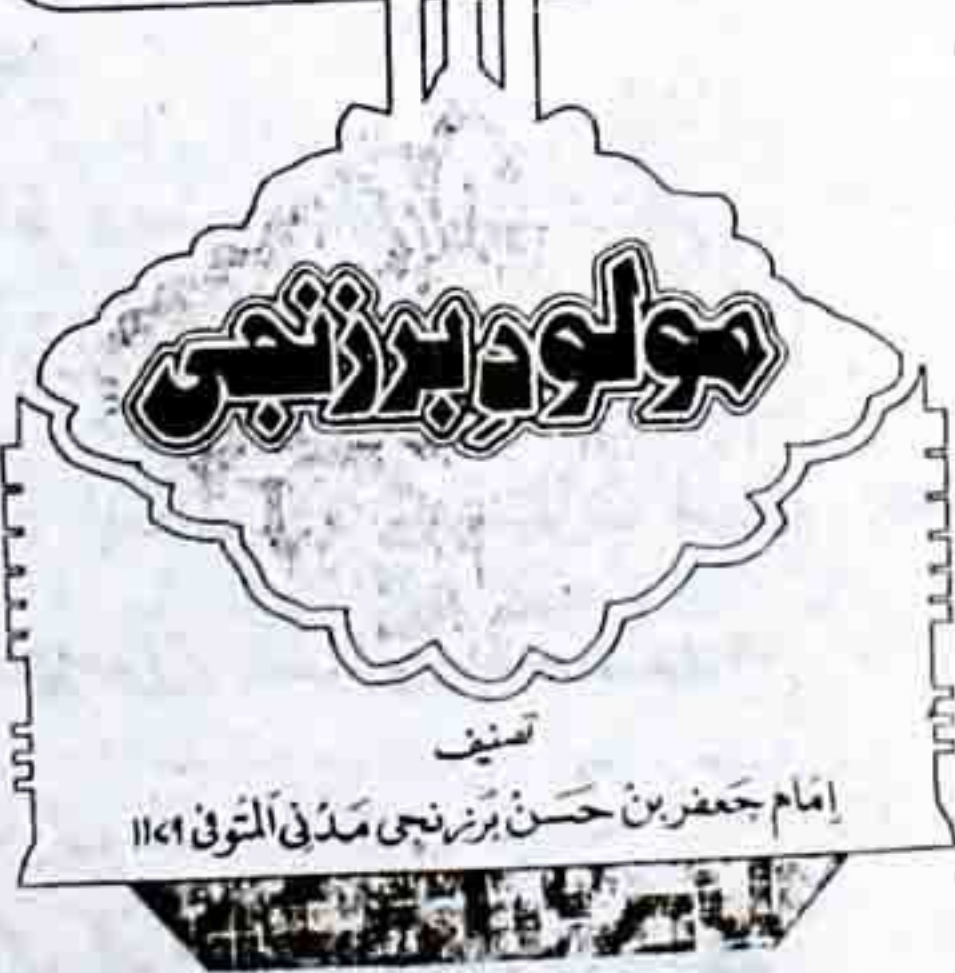
وصال کے بعد آپ کے بخشش کی سفارش کرنے پر دلائل

اور اس کا یہ کہنا کہ آپ کا وصال کے بعد بخشش کی سفارش کرنا ناممکن ہے
کیونکہ جب آدمی مرتا ہے تو اس کے تین اعمال کے سوا تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔
ہم کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفارش فرمانا کئی دلائل کی بنا پر ممکن ہے۔

۱۔ انبیاء قبور میں زندہ ہیں

حدیث صحیح میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
الانبیاء احياء في قبورهم انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور
یصلون۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔

عالم اسلام خصوصاً عربوں میں مقبول ترین میلاد نامہ



ترجمہ و تاشیح
علامہ نور بخش، قوکل

جامعہ اسلامیہ لاہور
۱۔ نصح روڈ، اسلامیہ پارک، لاہور، 759 4003

اس کو امام بیہقی نے "حیاء الانبیاء" (ص ۱۵) میں 'امام ابوعلی' نے "مسند ابوعلی" (ص ۶: ۱۲۷) 'امام ابو نعیم نے "اخبار اصباحان" (۲: ۲۲) امام ابن عدی نے "الکامل" (۷: ۳۹) میں روایت کیا۔
 امام ہیثمی نے "المجمع الزوائد" (۸: ۲۱۱) میں فرمایا کہ ابوعلی کے روایات ثقہ ہیں اور حدیث کی کئی سندیں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مررت علی موسیٰ و هو قائم یصلی فی قبرہ
 میں حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

(مسلم شریف ۲: ۱۸۲۵، مسند احمد ۳: ۱۲۰، شرح السنۃ للبخاری

۱۳: ۳۵۱ وغیرہم)

علامہ ابن القیم نے قصیدہ نونہ میں حیاء الانبیاء پر کلام کرتے ہوئے لکھا

والرسل اکل حالۃ منہ بلا شک و هذا ظاہر التبیان
 فلذلک کانوا بالحیاء احق من شہدائنا بالعقل والبرہان
 وبأن نکاحہ لیرینفسخ ففساؤہ فی عصمۃ و حیان
 ولاجل هذا لم یجل لغيرہ منہن واحداً مدی الأزمان
 أفس فی هذا دلیل انه حی لمن كانت اذ فان

(حضرات انبیاء کرام شہداء سے بے شک افضل و اکمل ہیں۔ اس پر ظاہر دلائل ہیں۔ اسی لئے وہ ہمارے شہداء سے عقل و نقل کے لحاظ سے حیات کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ان کا نکاح فسخ نہیں۔ پس ان کی عورتیں عصمت و پاکیزگی کے ساتھ

متصف ہیں۔ اسی لئے ان کی بیویوں میں سے کوئی ایک بھی کسی غیر پرہیزی دنیا تک حلال نہیں ہے۔ کیا اس میں ہر انسان کے لئے دلیل نہیں کہ آپ زندہ

جاوید ہیں۔ (النونہ مع شرح ابن محسنی ۲۷ : ۱۶۰)

۲۔ آپ نے تمام انبیاء کو جماعت کروائی

حدیث صحیح اور تواتر سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات تمام انبیاء کرام کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی۔ حالانکہ وہ تمام وصال فرما چکے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نمازوں میں تخفیف کے لئے آپ کو لوٹانا اور ان کے علاوہ دیگر انبیاء کو آپ کا آسمانوں میں دیکھنا ثابت ہے۔ پس جب یہ ممکن ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کے لئے استغفار کیسے ناممکن ہو سکتا ہے۔؟

اور نماز کیا ہے؟ دعا، استغفار اور تضرع کا مجموعہ ہی تو ہے۔

۳۔ تمہارے بُرے اعمال پر میں بخشش طلب کروں گا

صحیح حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حیاتی خیرکم تحدثون
دیکھو میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم
دیکھو میری گفتگو کرتے ہو اور تم سے گفتگو
کی جاتی ہے اور میرا وصال بھی تمہارے
لئے بہتر ہے۔ ہم پر تمہارے اعمال پیش کئے
جائیں گے پس جس عمل کو اچھا دیکھیں گے
تو اللہ کا شکر ادا کریں گے اور اگر بُرے
اعمال ہوئے تو تمہارے لئے اللہ سے استغفار
طلب کریں گے۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے بارے میں حافظ عراقی نے (طرح التثريب
۳: ۲۹۷) میں فرمایا۔ اس کی سند جید (عمدہ) ہے۔ اور امام ھدھیمی نے (مجمع
الذوائد ۹: ۲۴) میں کہا اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی
صحاح کے راوی ہیں۔ امام سیوطی نے (المخصائص الکبریٰ ۲: ۲۸۱) میں اس کو
صحیح کہا۔

امام عراقی اور ھدھیمی نے جو کلام کیا ہے وہ صرف بزار کی سند کے بارے میں ہے
ورنہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ حافظ سیوطی نے فرمایا ہے۔ اور اس پر تفصیلی کلام انشاء اللہ
آئندہ صفحات میں آئے گا۔

۴۔ آپ کی دعا مغفرت ہر مسلمان کو حاصل ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا تمام مومنین کے لئے عام ہے چاہے کسی
خوش نصیب نے آپ کی ظاہرہ حیات کا زمانہ پایا ہے یا کسی حرماں نصیب نے یہ
مبارک دور نہ دیکھا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ - اے محبوب اپنے خاصوں اور عام
مسلمان مردوں اور عورتوں کے

گناہوں کی معافی طلب کرو۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت عظیم نعمت ہے اور ہمارے آقا صلی اللہ
علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک ہے۔

سابقہ گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ اس آیت کہ یہ میں تین امور کا ذکر ہے۔

۱۔ بارگاہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا۔

۳۔ اہل ایمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مغفرت طلب کرنا۔
اور یہ تینوں چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری اور وصال میں حاصل
و موجود ہیں۔

اعتبار سبب کا نہیں بلکہ عموم الفاظ کا کیا جاتا ہے

اور یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا چونکہ یہ آیت خاص لوگوں کے بارے میں نازل
ہوئی تھی لہذا انہیں کے ساتھ مخصوص رہے گی۔ کیونکہ یہ قاعدہ معروف و مسلم ہے کہ

العبرة لعدم اللفظ لا
عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوصیت

بخصوص السبب۔
سبب کا اعتبار نہیں۔

یہی وجہ ہے مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ سے عموم ہی سمجھا اور کہا۔ جو شخص
روضہ اقدس پر حاضر ہو اس کے لیے یہ آیت مبارکہ پڑھنا مستحب ہے۔ اس کے بعد
اللہ سے معافی مانگے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ
جَاءُواكَ فَاسْتَعْفَرُوا اللَّهَ وَ
اسْتَعْفَرُوا لِمَنْ الرِّسُولُ لَوْحَدُوا
اللَّهُ تَوَّابًا رَّحِيمًا۔
اور جب کبھی بھی وہ اپنی جانوں پر
ظلم کریں تو اے محبوب وہ تمہارے
پاس حاضر ہو جائیں پھر اللہ تعالیٰ سے
معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے
لئے شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو
توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

تفاسیر اور کتبِ مناسک کی استدلال پر تائید

ہمارے سامنے مذاہبِ اربعہ کی تفاسیر اور مناسکِ حج پر لکھی ہوئی تصانیف

ہیں جن سے واضح ہے کہ اس آیت کریمہ سے زیارت پر استدلال درست ہے۔
ہم زیادہ دور کیوں جائیں یہ علامہ ابو محمد ابن قدامہ حنبلی صاحب المغنی کو لے
لیجئے جن کے متعلق ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ شام میں امام اوزاعی کے بعد ابن قدامہ سے
بڑا فقیہ نہیں آیا۔

انہوں نے روضہ اقدس کی حاضری کے وقت یہی آیت کریمہ ذکر کی ہے (۵۹۰:۳)
جیسا کہ اسی کتاب میں پہلے () ذکر ہو چکا ہے۔

اور طریقہ زیارۃ قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھا ہے۔
پھر روضہ شریف پر حاضر ہو۔ قبلہ کی طرف پشت کرے اور روضہ اقدس کی
کی درمیانی جالی کی طرف رخ کر کے یوں عرض کرنے:

السلام علیک ایہا النبی
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
السلام علیک یا نبی اللہ و
خیرتہ من خلقہ۔
اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر
سلامتی اور اللہ کی رحمت وبرکتیں ہوں
اے اللہ کے نبی اور اس کی تمام
مخلوق سے افضل ترین ہستی۔

آگے چل کر کہا:

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود عرض کرنے کے بعد یوں عرض کرے:
اے اللہ تیرا ہی فرمان ہے اور تیرا فرمان سچ ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ
جَاءُواكَ فَاسْتَعَضَرُوا اللَّهَ وَ
اسْتَغْفَرُواكَ لَاجِدُوا
اللَّهُ تَوَّابًا رَّحِيمًا۔
اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو
آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اللہ
تعالیٰ سے مغفرت مانگیں اور نبی مکرم
بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں تو
وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کر نیوالا

رحم فرمانے والا پائیں گے۔

میں اپنے گناہوں کی بخشش کا طلبگار
ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ
میں شفاعت کی امید لیے حاضر ہو
گیا ہوں اور اے میرے رب میں
تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو میرے
لیے بخشش ثابت فرما دے جیسے تو نے
اس شخص کے لیے بخشش فرمائی جو آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں
آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اے
اللہ اے سب سے زیادہ رحم فرماتے
والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی
رحمت کے ساتھ سب سے پہلا شفاعت
فرمانے والا اور کامیاب سوال کرنے
والا اگلوں اور پھلوں میں سب سے

زیادہ عزت والا بنا دے۔

پھر اپنے والدین بھائیوں اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے۔

(آپ کا کلام اختصار کے ساتھ ختم ہوا)

تمام اُمت کے نیک اعمال کا اجر آپ بھی پارہے ہیں

عشیمین کی اس بات پر کلام باقی رہ گیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے

ہیں تو تین اعمال کے سوا نیک عمل کا امکان ختم ہو گیا..... الخ
 میں کہتا ہوں کہ ہمارے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے کمالات اور
 خصوصیات ہیں جو کسی دوسرے میں نہیں پائی گئیں۔ اور یہی بات ابن تیمیہ نے اپنی
 کتاب "الصارم المسلول علی مشاتم الرسول" جو کہ ان کی تمام تصانیف
 سے اچھی ہے، میں کہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات قیامت تک بلند
 ہوتے رہیں گے۔

اور یہ بات تو مسلمہ اور ضروریاتِ دین میں سے ہے اور کتبِ خصائص و
 دلائل النبوة، شفاء شریف وغیرہ اور اس کی شرح میں اس چیز کو ثابت کیا گیا ہے۔
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من دعا الی ہدی کان لہ
 من الاجر مثل اجور من
 اتبعہ لا ینقص من اجورہم
 شیئاً۔ (مسلم شریف)

جس شخص نے ہدایت کی طرف دعوت
 دی اس کے لیے اتنا اجر ہے جتنا
 پیروی کرنے والوں کا جبکہ ان کے
 اجر و ثواب میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی۔

یہ تمام اعمالِ صالح جو امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے جو صادر ہو رہے
 ہیں یہ تمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق سے ہی والبتہ ہیں۔ اسی طرح ان
 اعمالِ صالح کا ثواب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچتا ہے اور آپ اس
 سے متمتع ہوتے ہیں۔ باوجودیکہ امت کے اجر و ثواب میں بھی کچھ کمی واقع نہیں
 ہوتی۔

اسی درست رائے کے بارے میں ابن تیمیہ نے (فتاویٰ ۱: ۱۹۱) میں کہا ہے:
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 "جس نے ہدایت کی دعوت دی اس کے لئے اتنا ہی ثواب ہے جتنا پیروی

دعمل، کرنے والوں کے لیے، جب کہ ان کے اجر و ثواب میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔"

امت جو نیکیاں اور اعمالِ خیر کر رہی ہے اس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بلانے والے ہیں۔ پس جو عمل بھی امتی کریں اس کا ثواب و اجر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچتا رہتا ہے۔ اور امتیوں کے اجر میں بھی کمی نہیں ہوتی۔ حاصل کلام یہ کہ یہ بات کرتے وقت ابنِ عثیمین پھسل گیا ہے۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ آدمی بغیر علم کے اللہ کی کتاب میں کلام کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے زیادتی کرے۔

محفل میلاد پر اعتراضات
علمی محاسبہ

تالیف
مفتی محمد خان قادری

عالمی دعوتِ اسلامیہ
افصح روڈ، اسلامیہ پارک، لاہور

دوسرا باب

احادیثِ رسول ﷺ

۱۰۱

زیارتِ نبوی

اس سلسلہ میں احادیث دو طرح کی ہیں :

۱۔ ایسی احادیث جو مطلق زیارتِ قبور پر دلالت کرتی ہیں اور یہ متعدد الفاظ کے ساتھ مروی اور حدیث تواتر کو پہنچی ہیں جیسا کہ نظم المقتناثر، ۸۰، ۸۱ اور اتحاف ذو الفضائل المشتمرہ، ۹۷ میں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو زیادہ مشہور الفاظ مروی ہیں وہ ہیں :

كنت قد نهيتكم من زيارة القبور فزوروها فانها تذكروا الآخرة۔
 میں نے تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا اب زیارت کیا کرو کیونکہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہے۔

اور یہ الفاظ بھی ہیں :

فمن اراد ان يزور القبور فليزر ولا تقولوا هجراً۔
 زیارت قبور کرنے والا زیارت کرے اور ہجرت نہ کرے۔

اسے امام نسائی نے اپنی سنن، ۴: ۷۳ میں روایت کیا ہے۔

اور فعل شرط کے ساتھ عموم کا فائدہ دیتا ہے اور کوئی حدیث اس کی تخصص نہیں

ہے۔ اور پیار سے آقا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور تمام قبور سے علی الاطلاق افضل و

اعلیٰ ہے اور وہ زیارت کی زیادہ حق دار ہے۔

یہاں ایک اشکال بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

جب حصولِ علم رشتہ داروں اور مسلمان بھائی کی زیارت اور تجارت کے لیے سفر کے جواز پر تمام کا اتفاق ہے تو کیا وجہ ہے کہ احادیث زیارتِ قبور کو مخصوص کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اس کا جواز عدمِ سفر کے متصل ہے۔

بلاشک جو مطلق زیارتِ قبور کی احادیث کو مقید کرتا ہے وہ عقل و فکر سے عاری

ہے۔

تنبیہ

لفظ زیارت سے لازم آتا ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جایا جائے۔ پس شارعِ علیہ السلام نے ایک جگہ سے دوسری جگہ زیارت کے لیے جانے پر ابھارا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ابن تیمیہ نے الرد علی الأحنائی، ۷، میں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا فزوروا القبور (قبور کی زیارت کرو) یہ صرف مطلقے زیارت یا اس کے استحباب یا جواز پر دال ہے لیکن اس سے سفر کرنا نہ تو استحباباً لازم آتا ہے اور نہ ہی اباحتاً۔

میری گزارش یہ ہے کہ حدیث عام ہے اور اس کو خاص بھی کوئی چیز بھی نہیں کر رہی اور اصول طے شدہ ہے کہ جب کوئی شے پائی جائے گی تو اپنے تمام لوازم کے ساتھ پائی جائے گی اور پھر اس پر مزید یہ کہ جب زیارۃ انتقالِ سفر کے ساتھ متعلق ہے تو کوئی دلیل اس کو منع کرنے والی نہیں ہے۔

اور اختلاف کے وقت رجوعِ شرع کی طرف کرنا چاہئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد

فرمایا:

فان تنازعتم فی شی فردوہ
پس اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو
اسے اللہ اور اس کے رسول کے حضور

تومنون باللہ والیوم الآخر
 رجع کر دو۔ اگر اللہ اور روز قیامت پر
 ذلك خیر و احسن تاویلا۔
 ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور اس کا
 (النار، ۵۹)

انجام سب سے اچھا ہے۔
 اور شارع علیہ السلام نے سفر کو زیارت کا نام دیا ہے جس میں تاویل کا احتمال

ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان رجلاً زاراً خالاً فی قریة
 ایک شخص اپنے بھائی کی ملاقات کرتے دوسری
 اخری فارصد اللہ علی
 بستی میں گیا، اللہ تعالیٰ نے اسکے راستے میں ایک فرشتہ
 مدرجتہ ملکاً فلما آتی علیہ
 مقرر کر دیا، جب وہ شخص اس فرشتے کے پاس پہنچا
 قال: این تربید؟ قال: أرید
 تو اس نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگا میرا ایک
 أخالی فی تلك القریة قال:
 بھائی فلاں گاؤں میں ہے، اس کے پاس جانیکا ارادہ
 هل لك علیہ من لعمۃ
 ہے، فرشتے نے کہا کیا تمہارا اس پر کوئی احسان ہے؟
 تربیها؟ فقال: لا غیر
 جسکی تکمیل چاہتے ہو، اس شخص نے کہا نہیں مجھے
 أنى احبته فی اللہ عزو
 اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے محبت ہے
 جل: فقال انی رسول اللہ
 فرشتے نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرے پاس بھیجا
 الیک بان اللہ احبک لما
 ہے بے شک اللہ تعالیٰ کو تم سے محبت ہے
 احبته۔
 جیسے تمہیں اپنے بھائی سے محبت ہے۔

(صحیح مسلم، ۴: ۱۹۸۸)

پس شارع علیہ السلام نے ایک بستی سے دوسری بستی کی طرف سفر کو زیارت
 سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور لفظ زیارت میں سفر اور عدم سفر دونوں کا احتمال ہے۔
 اور لفظ زیارت کو دونوں میں سے ایک کے ساتھ مخصوص کرنا کہ زیارت صرف

بغیر سفر کے ہی ہے تو یہ نص پر سینہ زوری اور زیادتی ہے اور اصولِ شرع کی مخالفت

فائدہ

حافظ ابو زرہ عراقي نے طرح التثویب ۶: ۳۳ میں کہا ہے کہ میرے والد ماجد الحافظ الکبیر ولی اللہ عراقي رحمہ اللہ تعالیٰ حکایت کرتے ہیں کہ میں شیخ زین الدین عبدالرحیم بن رجب اہنبلی کے ساتھ تھا کہ جب وہ حضرت خلیل علیہ السلام کے شہر کی طرف جا رہے تھے۔ جب ہم شہر کے قریب پہنچے تو شیخ ابن رجب نے کہا میں حضرت خلیل علیہ السلام کی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت کرتا ہوں تاکہ میں ابن تیمیہ کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے زیارت کے لیے شد الرحال سے بچ سکوں۔ تو میں نے کہا کہ میں قبر خلیل علیہ السلام کی زیارت کی نیت کرتا ہوں پھر میں نے ان سے کہا کہ آپ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تشد الرحال الا الی
ثلاثة مساجد -
کہ تین مساجد کے سوا کسی طرف بھی
کجاوے نہ کے جائیں اور آپ نے
چوتھی مسجد کی طرف کجاوہ کسا ہے۔

اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

زور والقبور
قبروں کی زیارت کیا کرو
کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان مبارک میں قبور انبیاء کا استثناء فرمایا ہے؟
تو اس پر ابن رجب مبہوت و خاموش ہو گئے۔

امام عراقي کبیر، حافظ فقیہ اور بہت بڑے اصولی ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام پر

رحم کرے۔

بلاشبہ جو شخص ان احادیث کو مقید کرے گا جو کہ مطلق زیارتِ قبور میں وارد ہیں تو وہ بھٹک گیا (فتدبر)

۲۔ دوسری وہ احادیث ہیں جو فقط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ منورہ کی زیارت میں وارد ہیں ان میں سے وہ حدیث شریف ہے جو کہ حسن بلکہ بعض ائمہ نے اس کو صحیح اور بعض نے حسن کہا ہے جیسا کہ محدث ابن السکن امام السبکی اور سیوطی اور اس کے حسن ہونے پر امام ذہبی کی عبارت میں بھی تصریح ہے۔
ان احادیث میں سے سب سے اچھی سند کے لحاظ سے وہ حدیث جو کہ اس سند سے مروی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے	موسیٰ بن ہلال العبیدی
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	عن عبد اللہ بن عمر العمری
نے فرمایا جس نے میری قبرِ منورہ کی زیارت	وعبد اللہ بن عمر العمری
کی اس کے لئے میری شفاعت واجب	عن نافع عن ابن عمر قال
ہوگئی۔	قال رسول اللہ صلی اللہ
	علیہ وسلم: من زار قبری
	وجبت له شفاعتی۔

صحیح یہ ہے کہ عبیدی نے العمری صغیر اور کبیر دونوں سے روایت کی ہے اور العمری الکبیر میں اگرچہ کچھ کلام ہے لیکن وہ حسن الحدیث ہے اور امام ابن معین نے اس کی روایت عن نافع میں فرمایا کہ یہ صالح اور ثقہ ہے۔

ضروری ہے کہ ہم قاری کی نظر اس طرف متوجہ کریں کہ ابن المہادی جس نے العمری الکبیر کے بارے میں تمام جرحی کلمات نقل کئے ہیں وہ بھی کہتا ہے کہ یہ حسن الحدیث

ہے اور اس حدیث کو "تنقیح التحقيق" ۱: ۱۲۲ میں حسن قرار دیتے ہوئے کہا ہے :

امام الجرح والتعديل ابن معین وغیرہ کہ جن ائمہ نے العمري الكبير کی حدیث کو قبول کیا ہے وہ حجت ہے۔

اور یہ موسیٰ بن ہلال العبدي، اس سے بہت سارے ائمہ دین نے روایت لی ہے۔ اور وہ امام احمد کے شیوخ میں سے ہیں۔ اور امام ذہبی نے امام احمد سے ان کے بارے میں "میزان" (۲: ۲۲۶) میں نقل فرمایا کہ وہ صالح الحدیث ہے اور امام ابن عدی نے کہا:

ارجوانه لا بأس به۔ میرے خیال میں اس روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور احادیث زیارت میں سے ایک وہ حدیث ہے جو سنن ابی داؤد میں امام ابی داؤد سجستانی کے طریقہ پر صالح الاستحاج ہے یعنی اس سے احتجاج کیا جاسکتا ہے۔ اور اپنے مقام پر انشاء اللہ مفصل آئے گا۔

صحیح اور معتدل قول یہی ہے کہ احادیث زیارت ثبوت دعویٰ پر قیام دلیل کی صلاحت رکھتی ہیں اور جس نے ان پر موضوع ہونے کا حکم لگایا جیسا کہ بعض کا زعم باطل ہے تو یہ بہت بُری جرأت ہے۔

تیسرا باب

زیارت اور اجماع اُمت

جن علماء کرام نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے ان میں سے قاضی عیاض مالکی ہیں۔
آپ نے الشفاء بتعريف حقوق المصطفى صلى الله عليه وسلم میں ذکر کیا۔

زیارۃ قبرہ صلی اللہ علیہ
وسلم سنة من سنن المسلمین
مجمع علیہا وفضیلۃ مرغب
فیہا - (الشفاء، ۲: ۷۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مقدسہ کے
زیارت مسلمانوں کے اعمال میں سے ایسا
عمل ہے کہ اس پر اجماع ہو چکا اور یہ
ایسی فضیلت ہے کہ جس کی ترغیب

دی گئی ہے۔

علامہ شوکانی "نیل الاوطار" میں لکھتے ہیں :

جس نے روضۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو جائزہ قرار دیا اس نے یہ دلیل
بھی دی ہے کہ حج کا ارادہ کرنے والے مختلف مذاہب اور علاقوں سے تعلق رکھنے والے
مسلمانوں کا ہمیشہ سے دستور چلا آ رہا ہے کہ زیارت روضۃ منورہ کے لیے مدینہ پہنچتے
ہیں اور اس کو افضل ترین اعمال میں شمار کرتے ہیں اور ان کی طرف سے اجماع ہے۔

(نیل الاوطار، ۳: ۱۱۰)

اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے "ابراز الفی الواقع فی شفاء المعی" میں

لکھا ہے :

جہاں تک نفس روضہ مقدسہ کی زیارت کا معاملہ ہے تو ابن تیمیہ تک علماء امت
اور ائمہ ملت میں سے کسی نے بھی عدم جواز کا فتویٰ نہیں دیا۔ بلکہ سب نے بالاتفاق اس

افضل ترین عبادات اور بلند ترین اطاعتوں میں شمار کیا۔ اس میں تو اختلاف ہے کہ یہ زیارت مستحب ہے یا واجب! بہت سارے علماء نے فرمایا یہ مستحب ہے جبکہ بعض مایکیوں اور تمام اہل ظاہر (غیر مقلدین) نے اس کو واجب قرار دیا ہے۔ اور احناف میں سے اکثر نے اس کو واجب کے قریب قرار دیا ہے اور احناف کے نزدیک جو چیز واجب کے قریب ہو وہ واجب کے ہی حکم میں ہوتی ہے۔ اور سب سے پہلے جس نے اجماع کو توڑا اور ایسی شئی لایا کہ اس سے پہلے کسی عالم دین نے ایسی بات نہ کی، صرف اور صرف ابن تیمیہ ہے۔

کلام ائمہ کی غلط تاویل اور اس کا رد

اور مخالف زیارت اس کے متعارض کئی توہمات پیش کرتا ہے لیکن کوئی اعتراض اس کا ایسا نہیں جو تسلی و تشفی بخش ہو۔ انہی بے سرو پا باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اس اجماع مذکور کا تو معترف ہے لیکن کلام علماء میں تحریف کرتا ہوا کہتا ہے کہ ان لوگوں کا مقصود بغیر شدہ حال کے زیارتِ قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور اگر شدہ حال پایا جاتا تھا تو پھر ان کا مقصد سفر زیارتِ مسجد کے لیے ہوتا تھا۔ لیکن اس کا یہ مکر اور تاویل بالکل باطل ہے۔ حضراتِ فقہاء و علماء کی سابقہ تصریحات اس تاویل کو باطل کرتی ہے۔

ایک لاکھ نماز کا ثواب چھوڑ کر ہزار نماز کا ثواب لینے کون جاتا ہے!

کون شخص ہے جو اس سفر کی مستقت صرف ایک ہزار نماز کا ثواب پانے کے لیے اٹھائے جبکہ اس کے لیے ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ثواب کا حصول ممکن ہو تو کون شخص ہے جو اتنے بڑے ثواب کی قربانی دے؟

بلاشک و شبہہ جس نے بھی مدینہ طیبہ کی طرف سامان سفر باندھا اور اتنا خرچ کیا یہ عظیم سفر صرف اور صرف اسی بقعہ مبارکہ کی زیارت کے لیے ہے کہ جس میں حبیب رب العالمین و امام المرسلین و سید ولد آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام فرمائیں (اللہ تعالیٰ مزید اس بقعہ پر برکت فرمائے اور اس کی فضیلت و شرف کو دو بالا فرمائے)۔

کوئی یہ گمان نہ کرے کہ ہم مسجد نبوی علی صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت کے منکر ہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔

مسجد نبوی کی فضیلت اپنی جگہ مسلم لیکن یہ مسجد حرام سے فضیلت میں کم ہے جیسا کہ نص - وارد ہے۔

اور اگر فقط سامان سفر باندھنا صرف اجر حاصل کرتے کے لیے ہی ہے تو پھر مسجد حرام اس سے زیادہ اولیٰ واجب ہے۔

کیا مسجد نبوی کی طرح مسجد اقصیٰ کا بھی قصد کیا جاتا ہے

غور و فکر کرو (اللہ ہم پر رحم فرمائے) کیا مسجد اقصیٰ کی طرف رقت سفر باندھا جاتا جیسا کہ مسجد نبوی کی طرف باندھا جاتا ہے۔ حالانکہ مسجد اقصیٰ کی بھی فضیلت مسلمہ ہے یہ بہت واضح اور ظہری دلیل ہے۔ اور قوی بیان ہے کہ جو انہی عزائم اور سفروں پر ابھار رہی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہی تو ہے۔

اے مخاطب اس بات پر دھیان رہے کہ صرف مسجد نبوی کی طرف سامان سفر باندھنا یہ ابن تیمیہ سے پہلے کسی شخص نے بھی نہیں کیا۔

حاصل کلام یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منورہ کی زیارت کے جواز پر قوی اور عملی اجماع ایسے ہی ظاہر و ثابت ہے جیسے کہ پہاڑ لنگر ڈالے کھڑے ثابت و ظاہر ہیں! والحمد لله الذی بنعمتہ تنتم الصالحات

اور پھر جو الفاظ امام مالک سے زیارت گنبد خضریٰ کے بارے میں وارد ہیں وہ اجماع کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ ان الفاظ کا جواب و محل انہی کے اصحاب نے واضح کر دیا ہے جیسا کہ اپنے محل پر اس کا بیان ہے۔ اور اسی کے مثل معاملہ ہے امام محمد الجوبینی کے الفاظ کا جو کہ نذر کے متعلق ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق زیارت روضہ مقدسہ سے ہرگز نہیں ہے۔ جیسا کہ امام تقی الدین السبکی نے شفاء السقام ص ۱۲۱ تا ۱۲۳ تحقیق کی ہے۔

قرمان نبوی

لائش الرحال کا صحیح مفہوم!

یہ حدیث شریف زیارت کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتی۔
 مخفی نہ رہے کہ ساتویں صدی ہجری میں تنہا ابن تیمیہ نے سفر زیارت النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم کے منع ہوتے پر فتویٰ دیا۔ اور اس کے شاگرد ابن عبد البہادی نے
 اس کے فتاویٰ سے اکثر جگہ پر نقل کیا ہے کہ ابن تیمیہ نے صرف زیارت نبوی کے
 لئے سفر کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

اور ابن تیمیہ کے فتویٰ جات اور مناظرات و تصنیفات اور اس کے فتنوں
 کا تعاقب کیا گیا۔ اور اکثر علما کرام نے اس کے رد میں کتب و مقالات لکھے۔

المحافظ الامام ابن حجر عسقلانی

نے اس فتنہ کی طرف اشارہ کرتے کے بعد فرمایا۔
 حاصل کلام یہ کہ علماء نے ابن تیمیہ پر یہ التزام لگایا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کے روضہ اقدس کی طرف سفر کرتے کو حرام کہتا ہے۔

پھر حافظ صاحب نے فرمایا۔

کہ یہ مسائل میں سے بدترین مسئلہ ہے جو ابن تیمیہ سے صادر ہوا ہے۔

(الفتح الباری ۵/۶۶)

امام حافظ ابو زرہ العرانی :

نے اپنے بعض جوابات جو کہ : الاجوبۃ المرصیۃ عن الاسئلة المکیۃ : کے نام سے مشہور ہیں اس میں ایسے مسائل تحریر کیے ہیں جن میں ابن تیمیہ : منقرود (تنہا) ہے۔

فرماتے ہیں ابن تیمیہ کے بہت قبیح مسائل میں سے مسئلہ طلاق اور مسئلہ زیارت ہے اور ان دونوں کا رد بلیغ امام تقی الدین السبکی نے کیا ہے اور اس سلسلہ میں مستقل تصنیف لکھی ہے اور بہت خوب رد کیا ہے۔

اسی طرح دوسرے مقام پر " طرح التشریب ۲/۴۳ میں فرمایا۔ اور شیخ ابن تیمیہ اس مقام پر عجیب قبیح کلام صادر ہوا ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منورہ کی طرف سامان سفر باندھنے کی حرمت کو متضمن ہے۔ یہ کلام شکی نہیں بلکہ اس کی ضد ہے۔ اور اس پر امام تقی الدین السبکی نے شفاء السقام میں اس کا خوب رد کر کے اہل ایمان کے دلوں کو شفا دی ہے۔

حافظ صلاح الدین خلیل بن کبکدبی العلانی

نے ان مسائل میں جن میں ابن تیمیہ متفرد ہے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان مسائل میں سے وہ مسئلہ شنیع ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر پر جانا گناہ ہے لہذا اس میں نماز قصر نہیں کی جائے گی۔ اور اس مسئلہ میں وہ حد سے گزر گیا حالانکہ اس سے پہلے مسلمانوں میں سے کسی ایک عالم نے بھی ایسی بات نہیں کی۔

(تکملة الورد علی النونیہ ، ۱۲۳)

اس کے اس قول نے امت میں قتلوں کا دروازہ کھول دیا اور اللہ اس کا فیصلہ فرمائے اور اس کے فیصلوں کو کوئی رد کرتے والا نہیں ہے۔

ابن تیمیہ کی سب سے بڑی دلیل کا تفصیلی رد

ابن تیمیہ کی روئے رسول کی طرف عدم سفر پر سب سے بڑی دلیل یہ حدیث ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا تشد الرحال الا الى ثلاثة
مساجد المسجد الحرام والمسجد
الاقصى ومسجدى هذآ -
سامان سفر نہ بانڈھا جائے سوائے
ان تین مساجد کے۔ مسجد حرام،
مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے۔

تو اس سے استدلال — کا کئی وجوہ سے جواب دیا گیا ہے۔

۱۔ اس حدیث میں استثناء مفرغ ہے (کہ یہاں مستثنیٰ منہ مقدر ہوتا ہے)۔

لہذا مستثنیٰ منہ مقدر ماننا لازمی ہے۔ وہ اگر عام ہو تو اس کے لیے مستثنیٰ منہ بھی عام ہی نکالا جائے گا کیونکہ استثناء معیار عموم ہے تو اب عبارت یوں ہوگی۔

لا تشد الرحال الى مكان الا الى
الماجد الثلاثة -
تین مساجد کے علاوہ کسی جگہ کے
لئے بھی سامان سفر نہیں بانڈھا جائیگا۔

تو یہ بات بالبداهت باطل ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہر سفر منع و ناجائز ہو جائیگا۔

مسلمہ نحوی قاعدہ

لیکن یہ ضابطہ واضح رہے کہ مستثنیٰ متصل کے لیے مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا

ضروری ہے۔

شیخ ابن النجار حنبلی نے (شرح الکوکب المنیر، ۳/۲۸۶) میں استثناء پر گفتگو

کرتے ہوئے کہا۔ غیر جنس سے بھی استثناء صحیح نہیں ہوتا جیسے کہ جاء القوم الاحمار۔ (قوم آئی سوائے گدھے کے) کیونکہ گدھا قوم میں داخل نہیں ہے یا جیسے۔

عندی مائة درهم الا دینارا تیرے پاس سو درہم ہیں سوائے دینار کے۔

صحیح روایت کے مطابق امام احمد سے بھی یہی مروی ہے اور ہمارے اصحاب (حنابلہ) میں سے اکثریت نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام غزالی نے (المتنول ۱۵۹) میں اسی کو پسند کیا ہے۔

جس نے بھی غیر جنس سے استثناء کے جواز کا قول کیا ہے تو وہ مجازاً ہے۔ کیونکہ حقیقی طور پر یہ کہتا صحیح نہیں تمام القوم الاحماراً (قوم کھڑی ہوئی مگر گدھا) ہاں اگر اس سے مراد مجازاً بے وقوف آدمی ہو تو پھر جائز ہوگا۔ ابن بدران نے، المدخل ۱۱۷: میں اسی طرح بیان کیا ہے اور اسی میں ہے کہ: المخزومی نے مختصر میں کہا ہے جس نے کسی شے کا اقرار کرتے ہوئے غیر جنس سے استثناء کیا تو یہ استثناء باطل ہوگا۔

اور امام ابو اسحاق شیرازی نے (اللمع ص ۲۳۰-۲۳۰ مع شرح نزہۃ المشتاق للشیخ یحییٰ امان الملکی میں اسی بات کو واضح کیا کہ غیر جنس سے استثناء از قبیل مجاز ہوتا ہے۔ مختار قول یہی ہے کہ مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا ضروری ہے اور یہی مذہب حنابلہ کا ہے اور جس نے اس کے سوا کو جائز کہا ہے تو وہ مجازاً کہا ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف نہیں بلکہ اتفاق و اتحاد ہے۔

جب یہ اصول واضح ہو گیا تو اب اس حدیث میں مقدر مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کی جنس ہی سے ہوگا تو اب عبارت حدیث یوں ہوگی۔

لا تشد الرحال الی (مسجد) الا کہ تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف

کا مطلب یہ ہے کہ وہ نوع اور وصف میں مستثنیٰ کے مناسب ہو مثلاً آپ کہتے ہیں
 مارأیت الا زیداً۔ اب تقدیراً عبارت یوں ہوگی مارأیت رجلاً او احداً الا زیداً
 یہ نہیں ہو سکتی، مارأیت شیاءً او حیواناً الا زیداً۔ تو اسی اصول کے تحت حدیث
 شریف کی عبارت یوں ہوگی۔

لا تشد الرجال الی مسجد الالی ان ینسج مساجد کے علاوہ کسی مسجد
 ثلاثہ مساجد۔ کی طرف سامان سفر نہ باندھا جائے

اس مسئلہ پر ہمارے دور میں بلاد شامیہ میں کئی مناظرے ہوئے ہیں اور طرفین
 میں سے ہر ایک نے اس پر کتب لکھی ہیں یہاں ہم اس کی تفصیل میں نہیں جلتے۔

امام بد الدین عینی حنفی فرماتے ہیں

شد الرحل سفر سے کنایہ ہے کیونکہ وہ سفر کے لیے لازم ہے اور یہاں مستثنیٰ
 مفرغ ہے۔ پس تقدیر کلام یوں ہوگا۔

لا تشد الرحال الی موضع أو مکان
 کہ کسی جگہ اور مکان کی طرف سامان سفر
 نہ باندھا جائے۔

سوال: اگر کہا جائے کہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ اس کے سوا کسی بھی مکان یا جگہ کی طرف
 سفر نہ کیا جائے حتیٰ کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی زیارت کے لیے بھی سفر کرنا ناجائز ہو
 جائے گا۔ کیونکہ مستثنیٰ مفرغ میں مقدر مستثنیٰ منہ اعم العام ہونا چاہیے۔

جواب:- تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ یہاں اعم العام سے مراد یہ ہے کہ وہ مستثنیٰ کے
 نوع اور وصف میں مناسب ہو مثلاً۔ مارأیت الا زیداً تو یہ تقدیراً عبارت یوں
 ہوگی۔ مارأیت رجلاً او احداً الا زیداً ایسے عبارت نہیں ہوگی مارأیت شیاءً او حیواناً الا
 زیداً پس یہاں اس حدیث شریف میں بھی اسی اصول کے تحت عبارت یوں ہوگی۔

حدیث سے اس معنی کی تائید

اور مستثنیٰ منہ کی تعیین میں شہر بن حوشب کی روایت مشہور ہے اس کو امام احمد نے (مسند امام احمد ۳/۶۴ و ۶۴/۹۴) میں اور ابو یعلیٰ نے اپنی: مستند ۴۸۹/۲ میں روایت کیا ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی نے (فتح الباری ۳/۶۵) میں فرمایا شہر بن حوشب، "حسن الحدیث" ہے اگرچہ اس میں قدرے ضعف ہے۔ اور اس کو امام ذہبی نے اپنی کتاب (فہم تکلم فیہ وهو موثق ص ۱۰۰) میں بیان فرمایا ہے۔ تو یہ راوی ان میں سے ہے کہ جن کی روایت امام ذہبی کے نزدیک بھی: حسن: ہے۔ پس یہ دونوں جلیل القدر امام جو کہ حفظ اور معرفت رجال کے بلند و بالا سپاڑ ہیں وہ شہر بن حوشب کی حدیث کو "حسن" قرار دے رہے ہیں تو اب: الباقی: کا شور و غوغا قابل توجہ ہی نہیں اور اس کا واضح رد بھی اپنے مقام پر آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس لئے شارحین حدیث نے بھی مسجد ہی کو مستثنیٰ منہ مقدر مانا ہے

علامہ کرمانی

علامہ کرمانی نے (شرح صحیح بخاری (۱۲/۷) میں "الالی ثلاثہ مساجد" پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا۔

یہاں استثناء مفرغ ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ یہاں مستثنیٰ منہ عام مقدر مانا جائیے جو کہ لفظ موضح یا مکان ہے تو اب حدیث کا معنی یہ ہو گا کہ ان مساجد کے علاوہ کسی جگہ کا بھی سفر جائز نہیں حتیٰ کہ سیدنا جلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کیلئے بھی سفر منع ہو گا کیونکہ مفرغ میں مقدر مستثنیٰ منہ کا اعم العام ہونا ضروری ہے، تو میں (کرمانی) کہتا ہوں کہ مستثنیٰ منہ اعم العام ہوتے

لا تشد الی مسجد الا الی ثلاثہ ان تینوں کے سوا کسی مسجد کی طرف بھی

سامان سفرتہ باندھو

(عمدة القاری ۶/۲۷۶)

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی (فتح الباری ۲/۶۶) میں فرماتے ہیں

بعض محققین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "الا ثلاثہ مساجد" کے بارے

میں فرمایا۔

یہاں مستثنیٰ منہ محذوف ہے۔ وہ محذوف یا تو عام ہوگا تو عبارت یوں ہوگی۔

لا تشد الرجال الی مکان فی ای کہ کسی بھی مکان کی طرف کسی بھی کام

امر الا الی الثلاثہ۔ کیلئے سامان سفرتہ باندھا جائے مگر

ان تین کی طرف یا محذوف خاص ہوگا۔

پہلی صورت درست نہیں۔ کیونکہ اس سے تو سفر تجارت رشتے داروں سے ملاقات

اور طلب علم کیلئے سفر ناجائز اور ممنوع ٹھہرے گا۔ لہذا دوسری صورت متعین ہو جائے گی

کہ مستثنیٰ منہ خاص مانا جائے تو اولیٰ یہ ہے کہ اس لفظ کو مفرد مانا جائے جو زیادہ مناسب ہو

تو وہ مسجد کا لفظ ہوگا اور عبارت یوں ہوگی۔

لا تشد الرجال الی مسجد للصلاة ان تینوں مساجد کے سوا کسی مسجد کی

الای الثلاثہ؛ طرف نماز پڑھنے کیلئے سامان سفرتہ

باندھا جائے۔

تو اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو اس حدیث سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی قبر منورہ اور اولیاء کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر منع کرتے ہیں۔

اہم نوٹ :-

اس میں مقدر مستثنیٰ منہ: مسجد، کو ہی بنانا ابن تیمیہ کی گفتگو کے بھی موافق ہے کیونکہ

انہوں نے اپنے (فتاویٰ ۱۲/۲۷) میں کہا کہ یہاں مقدر دو میں سے ایک ہے۔ یا یہ کہا جائے: لا تشد الرجال «الی مسجد» الا الی المساجد الثلاثة، کسی مسجد کی طرف سوائے ان تینوں کے سامان سفر نہ باندھا جائے۔

پس اس میں لفظ کے ساتھ اس سے ممانعت ہوگی۔

کاش ابن تیمیہ اسی پر اکتفا کرتے لیکن آگے کہا پس ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سامان سفر باندھنے کی ممانعت تو لفظی ہے۔ اور اس کے علاوہ تمام ایسی جگہیں کہ جن کی فضیلت کا اعتقاد کیا جائے ان کی ممانعت سیاقاً از خود واضح ہے آگے کہا جب مبارک اور افضل جگہوں کی طرف سفر منع ہے تو مفضل کی طرف تو بطریق اولیٰ منع ہوگا۔

میں (سعید ممدوح) کہتا ہوں کہ حق اور سچ بالکل اس کے خلاف ہے کیونکہ جب ان تین مساجد کے فضیلت میں مخصوص ہونے کی وجہ سے ان کی زیارت کے لیے سفر مستحب ٹھہرا تو بطور دلالت النفس روضہ اطہر کا سفر بطریق اولیٰ مستحب ہوگا کیونکہ ان تین مساجد کی طرف سفر سے زیارت نبوی کے لیے سفر بہر طور افضل ہو گا وجہ واضح ہے کہ زمین کا وہ حصہ جو حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اطہر کو مس کر رہا ہے وہ ان تینوں مساجد سے کیسی اعلیٰ و افضل ہے۔

روضہ اطہر کائنات کی تمام جگہوں سے افضل ہے

حضرت امام مالک فرماتے ہیں۔

ان البقعة التي فيها جسد النبي
صلى الله عليه وسلم افضل من
كل شئ حتى الكرسي والعرش
جس بقعة مبارکہ میں نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اقدس
ہے وہ جگہ ہر شے سے افضل ہے

ثم الكعبة ثم المسجد النبوي ثم
 المسجد الحرام ثم مكة
 حتى که عرش دكرسى سے بھی پھریں
 کے بعد کعبہ پھر مسجد نبوی پھر مسجد حرام
 اور پھر مکہ۔

حضرت امام قاضی عیاض الشافعی فرماتے ہیں:

الاجماع علی انها افضل
 بقاع الارض!
 اس پر اجماع امت ہے کہ آپ
 کا روضہ منور تمام زمین سے افضل ہے
 اور آپ سے پہلے مالکیہ میں سے امام ابو الولید الباجی الماکمی وغیرہ اور ان کے بعد
 امام قرانی وغیرہ نے اس کو بیان کیا ہے۔ اس کی تفصیل (معارف السنن ۳/۳۲۳)
 میں ملاحظہ کیجئے۔

اس پر اب ابن تیمیہ کا کہنا کہ۔
 پس جب زیادہ فضیلت والی جگہوں کی طرف سفر کرنا منع ہے تو کم فضیلت والی جگہوں
 کی طرف تو بطریق اولی منع ہوگا۔ ابن تیمیہ کو چاہیے تھا کہ یہاں یہ الفاظ بھی زیادہ
 کتنا کہ دلالت النص کے طور پر۔ افضل مکان وجگہ اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور
 کی طرف بھی سفر کا زیادہ حق ہے یعنی اگر مفضول کی طرف سفر منع ہے تو ان سے افضل
 کی طرف سفر بھی افضل ہوگا۔

۱۰ روضہ شریف کائنات کی ہر جگہ سے حتی کہ عرش عظیم سے بھی افضل ہے اس
 کا مفصل بیان بندہ کی کتاب العقیة الصحیحة فی شرح حیات الانبیاء میں
 ملاحظہ فرمائیں۔ (مترجم غزلہ)

دوسری وجہ

امام تقی الدین السبکی شفاء السقام ص ۱۱۸ میں فرماتے ہیں !
علم ہونا چاہیے کہ اس حدیث شریف میں مستثنیٰ مفرغ ہے اس لیے تقدیراً
عبارت یوں ہوگی۔

لا تشد الرحال الی مسجد الا الی المساجد الثلاثة ؛ کہ ان تینوں مساجد کے
سوا کسی مسجد کی طرف سامان سفر نہ باندھا جائے۔ یا پھر عبارت اس طرح ہوگی۔
لا تشد الرحال الی مکان الا الی المساجد الثلاثة ؛ ان تین مساجد کے
علاوہ کسی جگہ کی طرف بھی سامان نہ باندھا جائے۔ ان دونوں صورتوں میں سے
ایک کا ماتنا ضروری ہوگا تاکہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کے تحت ہو اور پہلے کو (یعنی مسجد)
کو یہاں مقدر ماتنا اولیٰ ہے کیونکہ وہ جنبس قریب سے ہے۔ اور اگر اس حدیث
کے عموم کا اعتبار کیا جائے یعنی کسی جگہ کہ طرف بھی سامان سفر نہ باندھا جائے سوائے
ان تین مساجد کے یعنی جس عموم کی طرف ابن تیمیہ گیا ہے۔

سفر مطلوب کے دونوں اسباب زیارت نبوی میں ہیں:

آگے چل کر امام السبکی نے جو (ص ۱۱۹-۱۲۱) میں بیان فرمایا اس کی تلخیص
یہ ہے۔

سفر کا باعث دو باتیں ہوں گی یا تو طلب علم اور زیارت والدین یا اس
کے مشابہ کسی اور غرض کیلئے سفر کرنا تو یہ بالاتفاق مشروع و جائز ہے۔

دوسرا وہ سفر ہے جس کا مقصد کسی خاص مقام پر جانا ہے۔ جیسا کہ مکہ و مدینہ یا بیت المقدس کی طرف سفر کرنا۔ اور حدیث ان سب پر مشتمل ہے۔

لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر اس حدیث کے تحت نہیں آتا کیونکہ مسافر صرف اس جگہ کی تعظیم کے لیے سفر نہیں کرتا بلکہ وہ ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اس روضہ شریف میں کونجا منزاحت ہیں ان کی تعظیم کے لیے سفر کرتا ہے۔ تو یہ قطعاً اس حدیث کے تحت نہیں آئے گا بلکہ یہ پہلی قسم (یعنی والدین اور طلب علم کے لیے سفر) میں داخل ہوگا جو جائز ہے۔

پس سفر سے ممانعت دو امور کے ساتھ مشروط ہے۔

نمبر ۱:- اس سفر کی غایت ان تین مساجد کے علاوہ ہو۔

نمبر ۲:- یہ سفر اس جگہ کی تعظیم کے لیے ہو۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر کی غایت انہی تینوں مساجد میں سے ایک مسجد ہے اور اس سفر کی علت اسی بقعہ مبارکہ میں ساکن کی تعظیم ہے نہ کہ بقعہ کی، تو کس طرح اس سفر کی ممانعت ہوگی۔

بلکہ میں کہتا ہوں کہ سفر مطلوب کے دو سبب ہیں۔

۱:- سفر کی غایت ان تین مساجد میں سے کوئی ایک مسجد ہو۔

۲:- سفر اللہ کی عبادت کے لیے ہو اگرچہ ان تینوں کے علاوہ کسی اور طرف ہو۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر میں یہ دونوں سبب پائے جاتے ہیں لہذا یہ طلب کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس کے علاوہ کسی اور سفر میں یہ دونوں سبب نہیں پائے جاتے بلکہ ایک سبب ہوگا اس کی طلب بھی کم درجہ پر ہوگی۔

اور اگر سفر کی غرض و غایت ان تینوں مساجد میں سے کسی ایک کی طرف ہو تو

یقیناً یہ قصد صالح کی نیت سے قربت اور نکی ہوگی۔

کسی جگہ کی تعظیم کے لئے سفر منع ہے

لما وہ سفر جو ان تینوں مقامات کے علاوہ کسی اور مکان کی طرف اس کی تعظیم کے لیے ہو۔ تو اسی بارے میں یہ حدیث وارد ہے (کہ یہ سفر منع ہے) جیسا کہ بعض تابعین حضرات سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے عرض کیا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں کوہ طور پر جاؤں تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

سامان سفر صرف تین مساجد۔ مسجد حرام۔ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کی طرف باندھا جاتا ہے لہذا چھوڑو طور کو اور وہاں نہ جاؤ۔

حاصل کلام یہ کہ۔ اگر اس حدیث کو عموم پر محمول کیا جائے جو کہ ابن تیمیہ کی مراد کے موافق ہے تو پھر یہ حدیث مطلقاً زیارت سے تو منع نہیں کرتی کیونکہ مسافر جگہ کے ساکن کی زیارت کیلئے جاتا ہے۔

جیسا کہ عالم کی زیارت اور رشتہ دار کی زیارت تو اس کے جواز پر اجماع ہے باقی حدیث شریف صرف اماکن کے بارے میں وارد ہے۔ غور و فکر سے کام لے کر فائدہ اٹھاؤ اللہ تعالیٰ امام سبکی کو جزائے خیر و عزت عطا فرمائے انہوں نے حدیث کے مفہوم کو پایا۔

اہم نوٹ

امام سبکی کی تقریر میں یہ صراحت ہے کہ یہ حدیث صرف اماکن کی طرف سفر کی جماعت کے ساتھ خاص ہے! اور اس میں ابن تیمیہ بھی متفق ہے جیسا کہ اس نے اپنے (فتاویٰ ۲۱/۲۷) میں کہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لا تشد الرجال الا لی ثلاثہ مساجد
 ہر اس سفر کو جو کسی مکان مقصودہ کی طرف کیا جائے منع کرتا ہے بخلاف سفر تجارت
 اور طلب علم وغیرہ کے کیونکہ وہاں اس حاجت کا حصول مقصد ہوتا ہے۔ اور اسی طرح
 اسلامی بھائی کی زیارت کے لیے سفر کرنا کیونکہ وہ جہاں بھی ہو وہ مقصود ہے۔
 میں کہتا ہوں اس طرح یہ حدیث مختلف مقامات کی طرف سفر کی ممانعت کے
 ساتھ خاص ہوگی۔ جب یہ واضح ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری اس
 حدیث کے تحت ممانعت میں داخل نہیں ہے کیونکہ وہ تو حاضری اور روضہ شریف
 میں محو استراحت شخصیت کی طرف سفر ہے نہ کہ صرف روضہ شریف کیلئے (فقہ بر)
 اب ہر ذی فہم شخص پر واضح ہو جائے گا حدیث لا تشد الرجال سے آپ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری سے ممانعت پر استدلال اجنبی اور بوجہ اپن ہے۔

تیسری وجہ :-

اس حدیث میں نسی وجہ واحد (حرام) پر نہیں بلکہ اس میں علما کا اختلاف
 کہ یہ نہیں کس وجہ سے ہے؟

امام ابن بطلال نے فرمایا :-

یہ حدیث علماء کے نزدیک اس شخص کے لیے ہے جس شخص نے ان تین مساجد
 کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی

امام ابوسلیمان النخعی نے فرماتے ہیں !

یہ (لا تشد الرجال) حدیث، نذر کے بارے میں ہے۔ اگر انسان نذر مانتے کہ میں

فلاں مسجد میں نماز پڑھوں گا تو اس کو اختیار ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھے یا کسی اور مسجد میں نماز پڑھے بخلاف ان تینوں مساجد میں سے کسی ایک مسجد کے کیونکہ اگر ان تین مساجد میں سے کسی ایک میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس کو پورا کرنا اس پر واجب ہوگا۔ کیونکہ یہ انبیاء کرام کی مساجد ہیں اور ہم کو ان کی اقتدار کا حکم دیا گیا ہے۔

(معالم السنن ۲/۴۲۳)

اور یہ ثابت شدہ مسئلہ ہے کہ نذر صرف طاعت میں ہی واجب ہوتی ہے تو اس حدیث کا معنی یہ ہوا کہ جس شخص نے ان تین مساجد میں سے کسی ایک مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس پر اس نذر کا پورا کرنا لازم ہے۔ اور جس نے ان تینوں کے علاوہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس پر اس کو وفا کرنا واجب نہیں ہے

۱۰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری نیکی و طاعت ہے لہذا جس نے آپ کی قبر منورہ پر حاضر ہونے کی نذر مانی تو اس پر اس نذر کا پورا کرنا واجب ہوگا، قاضی ابن کج شافعی نے فرمایا۔

اذا نذر ان يزور قبر النبي صلى الله عليه وسلم فعندی انه يلزم الوفا بذالك وجه واحد۔

اگر کسی شخص نے نذر مانی کہ وہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے گا تو ہر وجہ سے اس پر یہ نذر پوری کرنا لازم ہے۔

(المجموع : ۸/۳۷۶)

امام ابن کج (الفتح الکاف) کا نام یوسف بن الدنیوری ہے۔ امام قاضی ابن شہبہ (۱/۱۹۶) فرماتے ہیں کہ وہ مشہور آئمہ میں سے ہیں اور مذہب شافعی کے حفاظ مصنفین اور اصحاب وجوہ المتقین میں سے ہیں فقط مذہب شافعی میں ضرب المثل ہیں۔

امام نووی نے فرمایا :-

اس میں کوئی اختلاف نہیں سوائے اس کے جو کہ امام لیث سے مروی ہے کہ اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اور اس مسئلہ میں حنا بلہ سے ایک روایت ہے کہ اس شخص پر قسم کا کفارہ ہوگا اور نذر منقذ نہیں ہوگی۔ اور مالکیہ سے روایت ہے کہ جب عبادت کسی کے ساتھ متعلق کر کے مختص کر دی گئی ہو جیسا کہ سرے سے وغیرہ تو اس کو پورا کرنا واجب ہے وگرنہ نہیں امام محمد بن مسلمہ مالکی سے مسجد قبا کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہفتہ وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(المجموع ۸/۳۷۷)

امام ابن بطلال نے فرمایا :-

جس نے اولیاء اللہ کی مساجد میں نماز پڑھنے اور ان کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کا ارادہ نقلی طور پر کیا تو یہ مباح ہے؛ اگرچہ اس میں سفر ہو۔ کیونکہ اس حدیث میں اس پر کوئی ممانعت نہیں

امام نووی فرماتے ہیں :-

ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح وہ قول ہے جس کو امام الحرمین اور محققین علمائے اپنا یا ہے کہ یہ سفر نہ حرام ہے اور نہ ہی مکروہ باقی علمائے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ فضیلت تامہ یہ ہے کہ شد الرجال خاص انہی تین مساجد کے ساتھ ہے۔

(شرح صحیح مسلم) (۹/۱۰۶)

امام ابو محمد ابن قدامہ المقدسی الحنبلی فرماتے ہیں:-

اگر قبور اور مشاہد کی زیارت کے لیے سفر کیا تو اس کے بارے میں امام ابن عقیل حنبلی نے فرمایا، کہ اس سفر میں قصر نہیں کیونکہ ایسا سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مساجد کے سوا کسی کی طرف سامان سفر نہ باندھا جائے۔

لیکن اس میں صحیح قول اباحت کا ہے اور اس سفر میں نماز قصر کی جائے گی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا پیدل اور سوار ہو کر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبور کی زیارت بھی فرماتے تھے۔ اور حکم فرمایا۔ کہ تم زیارت کیا کرو یہ تمہیں حضرت یاد کروایا کریں گی یہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان،

لا تشد الرجال الا الى ثلاثة مساجد، میں صرف تفضیل کی نفی ہے تحریم نہیں اور قصر نماز کی اباحت میں فضیلت شرط نہیں ہے لہذا فضیلت کی نفی نماز قصر کی اباحت کی نفی نہیں ہوگی۔ (المعنی ۲/۱۳۳-۱۳۴)

۱۔ زیارت مطلقاً ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال کو متفقہ ہے! تو لفظ زیارت کو محمول کیا جائے گا انتقال پر خواہ سفر کے ساتھ ہو یا بغیر سفر کے۔ پس اپنی قدامہ کا استدلال ایک ققیہ اور ماہر کا استدلال ہے۔ ابن تیمیہ نے ابن قدامہ کا تعقب کیا۔ اور کہا کہ زیارت کا لفظ بغیر سفر تک ہی محدود ہے ابن تیمیہ کلام محل نظر ہے۔ اور حق ابن قدامہ کے ساتھ ہے۔

اور اسی کے مثل امام ابو الفرج ابن قدامہ نے شرح البکیر (۲/۹۳) میں بیان فرمایا۔

امام الحرمین نے فرمایا!

ظاہر اور واضح یہی ہے کہ نہ تو اس (غیر مساجد ثلاثہ کی زیارت) میں تحریم ہے اور نہ ہی کراہت۔ ایسے ہی شیخ ابو علی نے فرمایا اور اس حدیث کا مقصود صرف ان تین مساجد کے ساتھ قربت کی تخصیص بیان کرتا ہے۔

(الروضة: ۲/۳۲۲) و (المجموع: ۸/۳۷۵)

مذکورہ گفتگو سے معلوم ہوا کہ ان تین مساجد میں نماز دیگر مساجد کی نسبت زیادہ ثواب و اجر رکھتی ہے لہذا نذر کا پورا کرنا صرف انہی کے ساتھ خاص ہوگا۔ اور ان کے علاوہ تمام مساجد میں نماز کا ثواب برابر ہے اور ان کی طرف سفر مباح ہے اور اس میں نماز قصر جائز ہے

نذر پر محمول کرنے والوں کے دلائل:

اور اگر یہ پوچھا جائے کہ جو تم نے بیان کیا ہے اس کی تائید میں تمہارے پاس کچھ ہے تو میں اللہ کی توفیق و استعانت سے عرض کرتا ہوں۔ کہ جن لوگوں نے اس حدیث کو نذر کے ساتھ خاص کیا درج ذیل دلائل ان کی تائید کرتے ہیں۔
(۱) صحیح حدیث (کہ جس کی اسناد کے رجال مسلم کے راوی ہیں) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان خیر ما رکبت الیہ الروحا حل . سب سے افضل جس کیطرن کجا رکس کے

مسجد کا ہذا وال بیت العتیق ۔ سفر کیا جائے وہ میری یہ مسجد اور اللہ کا

کا پاک گھر (خاتہ کعبہ ہے)
اس حدیث کی تخریج آئندہ صفحات میں آئے گی (انشاء اللہ) اس حدیث
میں صراحت ہے کہ ان دونوں (مسجد نبوی و مسجد حرام) کے علاوہ دیگر مساجد اور
مقامات کی طرف بھی سفر جائز ہے۔

مسجد قبا میں دو رکعتیں، بیت المقدس کے سفر سے افضل ہیں

(۲) فہم صحابہ: یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حدیث (لا تشد الرجال) سے
یہی سمجھا ہے کہ ان کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف بھی سفر کرنا جائز ہے جیسا کہ۔
امام عمر بن شہب نے (تاریخ المدینہ ۱/۴۳) میں روایت کیا۔

عبد الصمد بن عبد الوارث حدثنا

حضرت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص سے روایت

صخر بن جویریہ عن عائشة

ہے کہ میں نے اپنے باپ (سعد بن ابی

بنت سعد بن ابی وقاص قالت

وقاص) سے سنا آپ نے فرمایا مسجد

سمعت ابی یقول لأن اصلی

قبا میں دو رکعت نماز پڑھنا مجھے مسجد

فی مسجد قبا رکعتین أحب إلیّ

اقصى میں دو مرتبہ جانے سے زیادہ

من ان آتی بیت المقدس موتین

پسند و محبوب ہے۔ اگر لوگ جانتے کہ مسجد

لو یعلون ما فی قبا لضر بوالیہ

قبا میں گنا ثواب و برکت ہے تو لوگ انہوں

اکباد الابل

کو اس سفر میں دوڑاتے:

امام ابن حجر نے فرمایا

اس کی سند صحیح ہے

استاد صحیح

(فتح الباری ۳/۶۹)

مسیح قبلاً دنیا کے کسی کنارے پر بھی ہوتی ہم پھر بھی زیار کیلئے جاتے

ابن ابی شیبہ نے اسی طرح ”مصنف ۲/۳۷۳“ عبد الرزاق نے (مصنف ۵/۱۳۳) میں روایت کی۔

الثورائی عن يعقوب بن ميعبع
بن حاربة عن ابيه عن عمر
بن الخطاب انه قال: لو كان
مسجد تبارق من الآفاق
ضربنا اليه أكباد المطى

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
نے فرمایا کہ اگر مسجد تبارق کے کناروں
میں سے کسی کنارے پر ہوتی تو ہم
اس کی طرف بھی سفر کرتے۔

حضرت عمر راوی حدیث ہونے کے باوجود یہ فرما رہے ہیں:

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدیث (لا تشد الرجال) کے راوی ہیں اگر وہ جانتے
کہ اس حدیث میں نہیں تحریم کیلئے ہے تو وہ مسجد تبارق کے بارے میں مندرجہ بالا مقولہ
برگزنہ فرماتے

اسکی اسناد حسن ہیں کیونکہ۔

يعقوب بن ميعبع کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور اس سے امام ثوری — جیسے
امام نے روایت لی ہے۔ امام حافظ الذہبی نے (الکاشف ۲/۳۹۵) میں اس
کی ”توثیق“ کی ہے اور ان کے والد مجمع بن جاریہ صحابی ہیں۔

اور اس اثر کی ایک اور سند بھی ہے جس کو امام عمر بن شیبہ نے (تاریخ المدینہ
۱/۴۹) میں بیان فرمایا ہے۔ اس میں راوی امامہ بن زید بن اسلم ہے اگرچہ حافظ
کی وجہ سے اسکی تصنیف کی گئی ہے لیکن وہ متابع اور شواہد کی صلاحیت رکھتا ہے

حضرت ابوہریرہ نے راوی حدیث ہونے کے باوجود طور کا سفر کیا۔

امام احمد نے (مسند ۳۹۷/۶) اور امام طبرانی نے (المعجم الکبیر ۱۲/۳۱۰) میں روایت کیا۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابوہریرہ سے ملا اور وہ مسجد طور میں نماز پڑھتے کی نیت سے جا رہے تھے میں نے آپ سے کہا اگر میں آپ کو تیاری سے پہلے ملتا تو آپ سفر نہ کرتے تو حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ کیوں؟ میں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا تین مساجد کے علاوہ کسی طرف سامان سفر نہ باندھو۔ اور وہ مسجد حرام مسجد اقصیٰ اور میری مسجد ہے۔

مرقد بن عبد اللہ البزازی عن ابی بصیر الغفاری قال لقیبت ابی بصیرہ وهو یسیر الی مسجد الطور لیصل فیہ قال نقلت لہ: لو اور کنتک قبل ان ترحل ما ارتحلت قال: فقال: ولیم؟ قال: نقلت انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لا تشد الرحال الا الی ثلاثہ: المسجد الحرام و المسجد الاقصیٰ، و مسجدی

حضرت ابوہریرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حال میں ملے کہ آپ مسجد طور کی طرف سفر میں تھے توجیب حضرت ابوہریرہ نے حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث بیان فرمائی تو آپ واپس نہیں لوٹے اگر حضرت ابوہریرہ اس حدیث سے تحریم سمجھتے تو واپس پلٹ جاتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

بلکہ وہ سر سے اس نیت کے ساتھ گھر سے نکلتے ہی نہ کیونکہ وہ تو خود اس حدیث کے راوی بھی ہیں۔ پس آپ رضی اللہ عنہ کا فعل اس پر دلالت کرتا ہے کہ

یہ حدیث ان کے نزدیک حرمت سفر پر دال نہیں۔
 اکابر صحابہ کے فہم حدیث کے بعد کوئی دلیل کوئی حجت اور کوئی برہان کا
 مطالعہ کیا جاسکتا۔ ان سابقہ دلائل سے معلوم ہو گیا کہ حدیث لاتش الرجال میں نبی
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت کے لیے سفر پر ممانعت کی کوئی دلیل
 نہیں۔

اے مخاطب اس کے بعد کسی ایسے شخص کے کلام کی طرف مت دیکھو
 کہ جس کے کلام میں فقائیت و دانتائی کوئی نہیں بلکہ وہ فقط کسی دوسرے
 کی رائے پر بغیر تامل اور غور و فکر کے عمل کر رہا ہے۔ یا پھر وہ تعصب اور
 عناد سے کام لے رہا ہے۔

اب ہم اس تصنیف کے اصل مقصد کی طرف آتے ہیں اور وہ مقصد
 ہے توکل اور زیارت کی احادیث کی تخریج۔

نوٹ :- ہم کتاب کا حصہ احادیث زیارت شائع کر رہے ہیں۔

محمد خاں قادری

تخریج احادیث الزیارة

حدیث ۱ :-

«مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي»

جس نے میری قبر انور کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہوگی۔

اس حدیث کو درج ذیل محدثین نے نقل کیا ہے۔

۲۷۸/۲	امام دارقطنی	السنن
۶۴/۲	امام الدولابی	الکنی والاسماء
۲۹۰/۳	الامام بیہقی	شعب الایمان
۵۸۱/۱	امام خطیب بغدادی	تلخیص المشاہد فی الرسم
۱۷۰/۲	امام الابدی	المزیل علی التاریخ
۱۴۲	ابن البخار	تاریخ المدینہ
۱۷۰/۲	امام عقیلی	الغقاء
۲۳۵۰/۶	امام ابن عدی	الکامل
۱۴ - ص ۱	امام تقی الدین السبکی	شفاء السقام

ان تمام حضرات نے یہ حدیث اس سند سے ذکر کی ہے موسیٰ بن ہلال العبدی عن عبید اللہ بن عمرو وعبید اللہ بن عمرو دونوں حضرات امام نافع سے

اور وہ حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

یہ سند "حسن" ہے چاہے موسیٰ بن ہلال عبدی عبید اللہ بن عمر سے روایت کرے یا ان کے بھائی عبد اللہ بن عمر یا ان دونوں سے روایت کرے۔

اس کو امام، عبد الحق اشعری نے صحیح کہا۔

اور امام سبکی نے شفاء السقام نے اس کو صحیح یا حسن کہا۔

امام سیوطی نے "مناہل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء" میں حسن کہا ہے۔ اور ان کے بعد کے متاخرین نے بھی اس کی تحسین کی ہے اس حدیث میں بعض غلطیوں کا بیان کی گئی ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی علت صحیح نہیں ہے۔ لیکن ہم ان کو بیان کر کے تفصیلاً ان کے جوابات عرض کریں گے (انشاء اللہ) اس میں مندرجہ ذیل غلطیوں کا بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ موسیٰ بن ہلال مجہول ہے اور اس حدیث میں اضطراب ہے۔

۲۔ موسیٰ بن ہلال یہ روایت عبد اللہ بن عمر العمری سے روایت کرتا ہے۔ اور

اس کی روایت عبید اللہ بن عمر سے صحیح نہیں حالانکہ وہ

ثقة اور حافظ ہے۔

۳۔ عبد اللہ بن عمر العمری ضعیف ہے۔

یہ غلطی صحیح نہیں ہیں اور ان غلطیوں کی بنا پر حدیث پر ضعف کا حکم نہیں لگایا جاسکتا،

(۱) موسیٰ بن ہلال۔ حسن الحدیث ہے، اس کے بارے میں امام ابن عدی نے کیا۔

میر نے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں امام ذہبی نے فرمایا یہ، صالح الحدیث ہے۔ اس سے بہت سارے آئمہ کرام نے روایت کی ہے۔ ان جلیل القدر

آئمہ میں سے امام احمد بن حنبل بھی ہیں۔

اور اگر موسیٰ بن ہلال ضعیف بھی ہو تو بھی یہ متفرد نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ دیگر راوی اس کے متابع ہیں لہذا متشددین کے اعتراضات موسیٰ بن ہلال سے زائل ہو گئے۔

حدیث میں اضطراب کا دعویٰ وہاں صحیح ہوتا ہے جہاں روایات کے درمیان موافقت متقدر ہو۔

یہاں تو دو طرح سے موافقت ہو سکتی ہے جیسا کہ انشا اللہ آ رہا ہے۔

۲:- یہ روایت موسیٰ بن ہلال عن عبید اللہ بن عمر سے کئی سندوں سے ثابت ہے اور عبید اللہ بن عمر ثقہ اور حافظ ہے تو عبید اللہ بن عمر سے روایت کے ثبوت میں طعن کرنے کی مجال نہیں ہے۔

۳:- اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ موسیٰ بن ہلال سوائے عبید اللہ بن عمر بن العمری کے کسی اور سے روایت نہیں کرتا تو بھی (کوئی حرج نہیں) کیونکہ عمری مذکور حسن الحدیث ہے جیسا کہ متعدد ائمہ حدیث نے بیان فرمایا ہے۔

یہ ابن الہادی جس نے، عبید اللہ بن عمر العمری کی تضعیف کو سر پر اٹھا رکھا ہے اور اس کو اتارنے کے لیے تیار نہیں اور ان کے ضعف کی رٹ لگا رکھی ہے اس نے خود بھی (تنقیح التحقیق ۱/۱۲۲) میں ان سے مروی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ یہ تو ایک اجمالی خاکہ تھا یہی چیز ہم ذرا قدرے تفصیل سے عرض کرتے ہیں۔
(واللہ المستعان)

۱:- اس بات کا اثبات کہ موسیٰ بن ہلال العبیدی "حسن الحدیث" ہے۔ اس راوی پر کل حرج یہ ہے۔

امام ابو حاتم نے فرمایا۔ مجہول ہے (المجروح والتعدیل ۸/۱۶۶)
عقیمی نے کہا اس سے حدیث صحیح نہیں اور نہ یہ متابع بن سکتا ہے۔ (العقلاء ۲/۱۶)

امام دارقطنی نے سوالات البرقانی عن لدارقطنی میں کہا مجہول ہے۔ یہ ہے حاصل کلام جو اس راوی کو مجہول ہے۔ ثابت کرتے کے لیے بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ انہیں مجہول قرار دینا مردود ہے

اس راوی میں جہالت کا قول مردود ہے بلکہ یہ راوی معروف ہے۔ کیونکہ اس سے بہت سارے رواۃ نے — روایت کی ہے ان آئمہ حفاظ حدیث میں سے امام احمد بن حنبل بھی ہیں ابن جوزی نے انہیں (مناقب الامام احمد ۴۹) میں امام احمد بن حنبل کے ساتھ میں سے شمار کیا ہے۔ اور ان سے امام احمد حنبل کے علاوہ جن دیگر محدثین نے روایت کی ہے ان میں سے۔ احمد بن النخیل و محمد بن اسماعیل الاحمسی و ابو امیہ محمد بن ابراہیم الطرسوسی و عبید بن محمد الوراق و فضل بن سہل۔ جعفر بن محمد البزوری۔ محمد بن زنجویہ العسیری علی بن معبد ابن نوح۔ عباس بن الفضل۔ ہارون بن سفیان، محمد بن جابر المماربئی احمد بن ابی غرزہ۔ ابو محمد عبد الملک بن ابراہیم اور محمد بن عبد الرزاق وغیر ہم ہیں۔

پندرہ راویوں کی روایت کے بعد بھی جہالت :

اور جہالت علین دو راویوں یا ایک راوی کے روایت کرنے سے اٹھ جاتی ہے جیسا کہ کتب اصول میں مقرر ہے تو جس سے پندرہ اشخاص روایت کر رہے ہوں اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا ان میں جہالت باقی رہے گی؟

یہ راوی مجہول نہیں بلکہ معروف ہے اس پر یعقوب بن سفیان الفسوی نے

(معرفة و قیات بعض البصریین میں اعتماد کیا ہے ملاحظہ فرمائیں) (المعرفة
والتاریخ ۱۳۲/۱ و ۱۲۸ و ۱۲۷)

راوی مستور الحال بھی نہیں:

اگر کوئی کہتا ہے کہ یہ راوی مجہول الحال ہے تو یہ بات بھی ان دو امور کی بنا پر
مردود ہے۔

۱۔ امام ابن عدی کا فرمان۔ ارجوا انه لا یاس بہ۔ کہ اس راوی میں کوئی
خرج نہیں (الکامل ۶/۲۳۵)

اور کتب اصول میں یہ بات مقرر ہے کہ تعدیل صرف ایک آدمی کے قول
سے قبول کر لی جائیگی۔

تو جس شخص سے ایسے پندرہ اشخاص روایت کریں اور جن میں سے آئمہ و حفاظ
بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ابن عدی کا قول: لا بأس بہ، بھی ہے تو یقیناً،
اس سے ثابت ہو جائے گا کہ یہ راوی مجہول نہیں ہے بلکہ اس کی حدیث مقبول ہے
اور یہی حال بہت سارے رواۃ کا ہے کہ جن کی احادیث کی آئمہ حفاظ نے تصحیح کی ہے
۲۔ ان سے امام احمد نے روایت کی (مناقب احمد لابن الجوزی ۴۹) اور وہ ثقہ
کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتے جیسا کہ اپنی جگہ پر مسلم ہے۔

ابن عبد البہادی کا جواب:

اور اگر کہا جائے کہ، ابن عبد البہادی نے (الصائم المتکی ۴۰-۴۱) میں اس بات
کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

کہ امام احمد صرف ثقات سے ہی روایت کرتے ہیں تو یہ غالب اوقات میں

ہے اور آپ کا اکثر طور پر یہی طریقہ ہے کہ آپ ثقہ سے ہی روایت کرتے تھے جیسے کہ عام طور پر امام شعبہ امام مالک، امام عبدالرحمن بن مہدی، امام یحییٰ بن سعید القطان وغیرہم کا طریقہ و عمل ہے لیکن بعض اوقات امام احمد ایسے راویوں سے روایت کرتے ہیں جن کی طرف ضعف اور قلت ضبط کی نسبت کی گئی ہے اور امام احمد نے ان راویوں سے بطور تائید اور شواہد کے روایت لی ہے کہ اجتہاد اور اعتماد کے طور پر جیسے کہ آپ نے عامر بن صالح الزہیری، محمد بن قاسم الاسدی، عمر بن مارون البلیغی، علی بن عاصم الواسطی، ابراہیم بن ابی لیث الشیبی، یحییٰ بن یزید بن عبدالملک التوفلی، نصر بن باب تلید سلیمان الکوئی، حسین بن حسن الاشقر، ابوسعید الصانغانی، محمد بن یسراوران جیسے دیگر رواۃ کہ جن میں کلام مشہور ہے) سے روایات لی ہیں۔ اور اسی طرح آپ نے موسیٰ بن ہلال سے روایت (اگر ثابت ہو جائے تو) لی ہے یہ

لے یہ تو موسیٰ بن ہلال پر بہت بڑا اور واضح ظلم ہے ابن عبدالہادی نے کیسے موسیٰ بن ہلال اور مذکور حضرات کو برابر قرار دیا۔ ان میں سے کئی موسیٰ بن ہلال سے بہت زیادہ ضعیف ہیں جیسا کہ عامر بن صالح الزہیری اس کو ابن معین نے چھوٹا کہا ہے۔ اور محمد بن قاسم الاسدی۔ کذاب، ہے اور عمر بن مارون البلیغی، متروک، ہے۔ ابراہیم بن ابی لیث بھی، متروک ہے۔ ان مثالوں سے صاحب عقل قاری پر ابن عبدالہادی کی نکمی کو شش جو کہ موسیٰ بن ہلال عبدی کی تعیبت میں کی ہے ظاہر ہو گئی اور اس کے متشدد طریقہ کا پردہ بھی چاک ہو گیا۔

جواب کا تفصیلی رد

میں کہتا ہوں کہ کئی امور قابل توجہ ہیں۔

۱:- امام احمد سوائے ثقہ کے روایت نہیں کرتے۔ اور اگر کبھی منعقہ سے روایت لیتے ہیں! اور اس کے کئی اسباب ہیں بلکہ آپ پر اس کی تعبیہ ظاہر نہیں ہوتی۔

۲:- آپ اس سے بطریق تعجب روایت کرتے ہیں جیسے کہ امام شعبہ جابر جعفی اور محمد بن عبید اللہ العرزی سے روایت کرتے ہیں۔

۳:- یا پھر آپ ان سے جو روایت کرتے ہیں وہ حلال و حرام کے بارے میں نہیں ہوتی۔ الریذی کے ترجمہ میں ہے۔ جیسا کہ موسیٰ بن عبیدہ کے ترجمہ میں ہے۔ جب یہ امر واضح ہو گیا تو اب یہ بات مسلم ہو گئی کہ امام احمد بن حنبل سوائے ثقہ کے کسی سے روایت نہیں کرتے۔

تو کیا۔ موسیٰ بن ہلال سے امام احمد بن حنبل کا روایت لینا ان کی تقویت کے لیے مفید ہوگا کہ نہیں؟

میں کہتا ہوں کہ امام ابن ابی حاتم الرازی نے (الجرع والفقہ ۲/۳۶) میں لکھا کہ میں نے اپنے والد گرامی سے پوچھا کہ ثقہ آدمی غیر ثقہ سے روایت کرے تو کیا اس سے اس کی ثقاہت ثابت ہوگی؟ فرمایا کہ جب وہ صحت میں مشہور و معروف ہو تو اس سے ثقہ کی روایت اس کو ثقہ نہیں کرے گی اور جب مجہول ہو تو اس سے روایت اس کو نفع دے گی۔

پھر ابن ابی حاتم نے فرمایا۔

میں نے شیخ ابو زرعة سے پوچھا کہ ثقاہت کی کسی شخص سے روایت اس

کی حدیث کو قوت دے گی، فرمایا یعنی: العمری: میں نے کہا: الکلبی: اس سے
امام سفیان ثوری نے روایت کی ہے فرمایا یہ تب ہے جب علمائے اس پر جرح و کلام
نہ کیا ہو اور کلبی، میں علما کا کلام مشہور ہے۔

امام ابو زرعتے فرمایا۔

حدثنا ابو نعیم، ناسفیان، نا محمد بن سائب الکلبی و تقسم الثوری: ہمیں
بیان کیا ابو نعیم نے انہوں نے سفیان سے انہوں نے محمد بن سائب الکلبی سے اور
ثوری مسکرائے۔

شیخ ابو محمد نے کہا میں نے اپنے باپ سے پوچھا جب امام ثوری کے
نزدیک کلبی ضعیف ہے تو پھر اس سے ان کی روایت کا کیا مطلب؟
تو انہوں نے فرمایا۔

امام سفیان ثوری کلبی سے انکار اور تعجب کے طور پر روایت کرتے ہیں!
اس سے علم ہوا کہ امام ابو زرعتے کی نظر میں ثقہ کی روایت (بخیر ثقہ سے) دو
حالتوں میں مقبول اور مفید ہے!

(۱) جس سے روایت کی گئی ہے وہ مجہول الحال ہو۔ (اس کی مثالیں کتب رجال
میں بے شمار ہیں)

(۲) وہ ضعف میں حد سے نہ بڑھا ہوا ہو۔ جیسا کہ محمد بن سائب الکلبی، جابر
الجعفی و عامر بن صالح الزبیری، عمر بن یارون البلیخی اور ان جیسے دیگر روایت
تو امام احمد کا موسیٰ بن بلال العبیدی سے روایت لینا اس کی تقویت کے لیے
کافی ہے کیونکہ وہ بعض کے نزدیک مجہول الحال ہے۔ امام احمد نے اس سے
اپنی کتب میں روایت کا اخراج کیا ہے۔ اس سے آپ نے اپنی کتاب الذہد:
میں روایت لی ہے اور امام القسوی نے امام احمد اور موسیٰ بن بلال کی سند سے

روایت کی ہے۔

علی سبیل المتنزہل اگر مان لیا جائے کہ موسیٰ بن ہلال مجہول الحال ہے، تو پھر بھی وہ اس طرح حسن الحدیث شمار ہوگا۔

امام زرکشی نے (المعتبر فی تخریج احادیث المتہاج والمختصر ۲۲۶) میں فرمایا کہ محدثین نے فرمایا ہے۔ راوی کی جہالت اس کی روایت میں قاذح نہیں جبکہ اس سے روایت کرنے والا ثقہ ہو کیونکہ اس کی اس سے روایت اس کی تعدیل ہوگی۔

اصل کلام یہ کہ موسیٰ بن ہلال پر ابن عبد الہادی کے جہالت کا اطلاق کرنے میں واضح ہے۔ یہ دیکھو کیا کہہ رہا ہے یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے۔

جب بات اصولوں کے مطابق ہوگی تو وہی حق ہوگی۔ اور اگر اصولوں کے خلاف ہو تو اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ (اللہ ہی مددگار ہے)

امام عقیلی کا (العقفا ۱۴۰/۱) میں یہ کہنا کہ اس کی حدیث صحیح نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی متابع ہے پس ناظر اور مدقق اس میں غور کرے تو اس کا آخر (کہ اس کا متابع کوئی نہیں یہ پہلے اعتراض (کہ اس کی حدیث صحیح نہیں ہے) کا سبب ہے! کیونکہ موسیٰ بن ہلال کا متابع نہیں ہے یعنی (حدیث زیارت اس کی صحیح نہیں عقیلی کی نظر اور اطلاع میں)

اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے۔

اس کا قول۔ کہ اس کا متابع کوئی نہیں (اور اس اعتراض کی اصل بنیاد ہی یہ ہے) لیکن یہ کوئی جرح نہیں ہے اور نہ ہی محدثین نے اس کو مراتب الجرح میں ذکر کیا یہ تو صرف تفرقہ کی ایک علامت ہے

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

اکثر حافظ متقدمین ایسی حدیث کے بارے فرماتے ہیں جس میں ایک راوی متفرد ہو اگرچہ ثقافت راوی اس متفرد کے خلاف روایت نہ کریں اور اس پر کوئی متابع بھی نہ ہو تو وہ اس کو حدیث میں علت گردانتے ہیں۔

(شرح علل الترمذی ۲۶۴)

پس امام عقیلی کے نزدیک راوی توثیق کے اعلیٰ درجے پر نہ ہو کہ وہ اس کے متفرد ہونے کی حالت میں اس کی تصحیح کریں۔ اور اس کا متابع بھی نہ ہو اور یہ جرح کا درجہ دینا میں کہیں بھی نہیں کہ اس کی حدیث ترک کر دی جائے وہ صالح حدیث یا درمیانے درجہ کا ثقہ ہوگا۔

اور اس راوی کا تو متابع بھی موجود ہے جیسا کہ انشا اللہ ابھی بیان ہو گا پس یہ حدیث مقبول ہے۔ حتیٰ کہ عقیلی کے نزدیک بھی یہ مقبول ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی نے تعقب کرتے ہوئے فرمایا۔

امام ابن حجر عسقلانی نے عقیلی پر تعاقب کرتے ہوئے (تلمیض الحجیر ۲/۲۶۷) میں فرمایا اور عقیلی کا یہ قول کہ اس پر کوئی متابع نہیں ہے محل نظر ہے پھر آپ نے اس کی متابعت بیان فرمائی جو اسی ہے۔

اور سب سے بہتر قول وہی ہے جیسا کہ گزرا کہ یہ شخص مجہول نہیں ہے۔ اور سوائے عقیلی کے کہ اس کی حدیث صحیح نہیں اور اس کا کوئی متابع نہیں اور کوئی قول مروی نہیں۔ اور اگر اس کو جرح تسلیم کر لیا جائے تو بھی متابعت سے زائل ہو جائے گی۔

اور عقیلی کے مقابلے میں ابن عدی کا قول جو کہ انہوں نے (الکامل ۲۳۵۰/۶) میں بیان کیا۔ کہ میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس کی توثیق ہے اور اس کے ساتھ ساتھ امام احمد بن حنبل کا اس سے روایت کرنا بھی ضمنی توثیق و تعدیل ہے تو موسیٰ بن بلال کی حدیث کی تحسین کرنا ہی صحیح راہ ہے!

امام ذہبی فرماتے ہیں!

امام ذہبی نے ابو حاتم، عقیلی اور ابن عدی سے موسیٰ بن ہلال کے بارے میں اقوال درج کرنے کے بعد فرمایا۔ ہو صالح الحدیث وہ صالح الحدیث ہے۔

(المیزان ۲۲۶/۳)

(دوسری بات)

موسیٰ بن ہلال کی عبید اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عمر سے روایت کا اثبات! موسیٰ بن ہلال العبیدی کی روایت میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ موسیٰ بن ہلال عبید اللہ بن عمر المصغر سے روایت کرتا ہے اور بعض نے کہا کہ وہ عبید اللہ بن عمر (المکبر) سے روایت کرتا ہے۔

جن محدثین نے کہا کہ اس نے عبید اللہ بن عمر (المصغر) الحافظ ثقہ سے روایت کی ہے وہ یہ ہیں۔

(۲) جعفر بن محمد البزوری

(۱) عبید بن محمد الوراق

(۴) فضل بن سہل

(۳) یحییٰ بن سہیل بن عمرو الاحمسی

(۵) اور محمد بن عبد الرزاق۔

یہی عبید بن محمد الوراق والی روایت کو امام دارقطنی نے اپنی (سنن ۲۷۸/۲)

میں یوں نقل کیا ہمیں قاضی המחاملی انہوں نے عبید بن الوراق انہوں نے موسیٰ بن ہلال العبیدی اور انہوں نے عبید اللہ بن عمر سے روایت کی میں کہتا ہوں۔ قاضی המחاملی سے مراد ابو عبد اللہ الحسین بن اسماعیل الصنبی המחاملی ثقہ حافظ ہے اور الوراق ثقہ ہے ان کے حالات (تاریخ بغداد ۱۱/۹۷) میں ہیں۔

سنن دارقطنی کے کئی متعدد معتمد نسخے عبید اللہ بن عمر (المصغر) کے ذکر پر متفق ہیں ان نسخوں میں سے ابن بشران کا مطبوعہ نسخہ اور ابو طاہر محمد بن احمد بن عبد الرحیم کا نسخہ جیسا کہ شفاء العقام (ص ۳) اور ابونعمان تراب بن عبید کا نسخہ جیسا کہ (شفاء العقام ص ۵) میں ہے۔

اور اس کو خلی نے اپنے فوائد میں ابونعمان کی روایت سے بیان کیا ہے۔ (ل ۱/۵۵) اور اسی طرح دارقطنی کی روایت عبید اللہ بن عمر (المصغر) کے ذکر پر متفق ہیں اور تانی המחاملی کا منابع عبید بن محمد الوراق سے محمد بن زنجور العبیری ہے۔

دوسری روایت: جبقر بن محمد البزوری کی ہے اس کو عقیلی نے (العقلاء ۴/۱۷۰) میں محمد بن عبد اللہ المحضی ثنا جبقر ابن محمد البزوری، ثنا موسیٰ بن ہلال البصری عن عبید اللہ کی سند سے بیان کی ہے۔

اور محمد بن اسماعیل بن سمرہ الاحمسی کی سند تو اس کو امام بیہقی نے (شعب الایمان ۳/۴۹۰) - ۲۳۷ - میں بیان فرمایا اس کو باسند بیان کیا امام تقی الدین السبکی نے (شفاء الشقام ص ۷) میں

اور فضل بن سہل کی روایت اس کو امام بیہقی نے (شعب الایمان ۳/۴۹۰) میں بیان فرمایا۔ اور محمد بن عبد الرزاق کی روایت اس کو قاضی عیاض نے (شفاء العقام ص ۷) میں بیان فرمائی ہے۔

یہ پانچ راوی ہیں یہ سب عبید اللہ بن عمر جو کہ ثقہ اور حافظ سے روایت کرتے ہیں متفق ہیں تو اب اس کے بعد حدیث میں طعن کی کوئی گنجائش و مجال کہاں ہے۔

فصل

جنتہوں نے عبید اللہ بن عمر العمری المکبریٰ سے روایت کی وہ یہ ہیں

۱۔ علی بن معبد بن نوح۔

۲۔ فضل بن سہل

۳۔ محمد بن اسماعیل الاحمسی

۴۔ عبید بن محمد الوراق

علی بن معبد بن نوح کی روایت کو: الدولابی نے (الکافی والاسماء ۲/۲۴) میں بیان فرمایا۔ فضل بن سہل سے سند بیان کی امام تقی الدین السبکی نے ابن ابی الدنیا کے طریق سے (الشفاء القام ۹) میں بیان فرمایا۔

اور محمد بن اسماعیل الاحمسی کی روایت امام بیہقی نے (شعب الایمان ۳/۱۶۳) میں بیان فرمائی۔ اور الوراق کی روایت کو خطیب نے (تلخیص المشاہیر للرمم ۳/۵۸۱) میں بیان فرمایا۔ حاصل کلام یہ کہ یہ روایت موسیٰ بن ہلال العبیدی سے چھ راویوں نے روایت کی ان میں سے پانچ راوی عن عبید اللہ المصغر کہتے ہیں اور تین راوی دونوں طریقوں سے روایت کرتے ہیں۔ اور پانچواں، راوی عن عبید اللہ بن عمر اکیلا کہتا ہے۔

اور محدثین کے اس میں دو مسلک ہیں۔

۱۔ یا تو ترجیح دی جائے گی۔ اس طرح عبید اللہ بن عمر (المصغر) کی روایت کو ترجیح ہوگی۔

دوسرا مسلک یہ ہے کہ۔ احتمال ہے کہ حدیث (بیک وقت) عبید اللہ المصغر اور اس کے بھائی عبداللہ المکبر دونوں سے ہو۔ اور ان دونوں سے راوی۔ موسیٰ بن ہلال العبیدی ہو گیا کہ وہ زیادہ روایت عبید اللہ بن عمر المصغر حافظ ثقہ سے کرتے ہوں اور البانی متشدد ہونے کے باوجود دونوں روایتوں کا اعتراف کرتا ہے (عبید اللہ و عبداللہ ابنا عمر) اور کہتا ہے کہ یہ اس سے دونوں روایتیں متقابل ہیں (الارواء القلیل ۴/۳۳۷)

لیکن اس میں علت پر بحث کی تو سوائے اضطراب کے اس میں کوئی علت بیان نہ کر سکا لیکن اس علت سے یہ حدیث کیسے تصحیف ہو سکتی ہے اور اس کا جواب بھی ہم ابھی دیں گے (انشاء اللہ)

حاصل کلام یہ کہ سابقہ تمام ابجاث سے معلوم ہوا کہ یہ روایت موسیٰ بن ہلال العبیدی عن عبید اللہ بن عمر الامام ثقہ حافظ سے ایسے ہی ثابت ہے جیسا کہ پہاڑ اپنی جگہ قائم ہوتا ہے۔

فصل

اگر کوئی کہے کہ ابن عبدالہادی نے (الصائم النکی ۳۹، ۴۰) میں کہا ہے کہ موسیٰ بن ہلال کبھی تو عبید اللہ سے روایت کرتا ہے اور نہ اس کی خطا ہے کیونکہ وہ محدثین میں سے نہیں ہے اور نہ ہی نقل حدیث میں مشہور ہے اور اس نے عبید اللہ کو پایا بھی نہیں ہے اور نہ ہی اس سے ملا ہے۔

کیونکہ بعض راوی اس سے: عن رجل عن عبید اللہ کے طریق سے روایت نہیں کرتے بلکہ کسی اور شخص سے عن عبید اللہ کے طریق سے روایت کرتے ہیں چونکہ عبید اللہ اس سے بہت پہلے وفات پا چکا تھا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا، بخلاف عبید اللہ کے کیونکہ وہ اپنے بھائی عبید اللہ کے بعد ایک زمانہ تک زندہ رہا۔ اور موسیٰ بن ہلال ان دونوں بھائیوں۔ عبید اللہ اور عبید اللہ ہی تمیز نہ کر سکا کہ یہ دو شخص ہیں کیونکہ وہ اہل علم میں سے نہیں اور نہ ہی ضبط کے سلسلہ میں وہ قابل اعتماد ہے۔

میں اللہ کی مدد سے کہتا ہوں۔

یہ سراسر زیادتی اور تشدد ہے اور یہ ایسا دعویٰ ہے جو خلاف واقع ہے اور سوائے تعصب کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اگر کچھ لوگ (مثل البانی کے) اس کلام سے استدلال نہ کرتے تو ہم اس پر تنبیہ بھی نہ کرتے۔
قولہ موسیٰ بن ہلال کا کبھی عبید اللہ سے روایت کرنا خطا ہے۔

قلت: بلکہ موسیٰ بن ہلال کا عبید اللہ بن عمر سے صحیح اسانید کے ساتھ روایت کرنا بعض اوقات نہیں بلکہ اکثر اوقات ہے۔ اور اس کے مخارج متعدد ہیں اور اسی طریق سے اس سے پانچ راویوں نے تخریج کی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے جب ابن عبد اللہ ہادی اس حدیث میں دعویٰ اضطراب کو ثابت نہ کر سکا تو اس نے اس کی مزید تائید کے لیے موسیٰ بن ہلال کی عبید اللہ بن عمر سے روایت کا انکار کر دیا اور اس پر دو باتوں سے استدلال کیا۔

۱۔ موسیٰ بن ہلال نے عبید اللہ بن عمر کو نہ پایا ہے اور نہ ہی اس سے ملا ہے۔

قلت: بلکہ اس نے ان کو یقیناً پایا ہے۔

کیونکہ موسیٰ بن ہلال نے ان سے متقدم الوفاات حضرات سے روایت کی

ہے۔ مثل کھمس بن الحسن البصری المتوفی ۱۲۳ھ (المعرفة والتاریخ للضوی) اس سے روایت طیبۃ الاولیاء لابن نعیم (۲۱۳/۶) میں بھی ہے۔ اور اس نے ہشام بن حسان سے روایت کی جیسا کہ کتاب الزہد ۲۴۹ (امام احمد) اور (المجلیۃ الاولیاء ۲۱۲/۶) میں ہے۔ اور ہشام بن حسان ۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ کو فوت ہوا۔

حیث یہ ثابت ہو گیا تو موسیٰ بن ہلال کی روایت عبید اللہ بن عمر بن ابی یقین صحیح ہے کیونکہ اس نے اس کو واضح طور پر پایا ہے پھر یہ بھی ثابت ہے کہ وہ حجاز بھی گیا تھا جیسا کہ (علیہ ۳۱۳/۶) میں ہے! تو اس سے مزید موسیٰ بن ہلال کی عبید اللہ بن عمر سے روایت کی تائید تاکید ہوتی ہے۔

۲۔ قولہ بعض راوی اس سے بالواسطہ عن عبید اللہ روایت کرتے ہیں اور بعض بلا واسطہ موسیٰ بن ہلال عن عبید اللہ روایت کرتے ہیں! میں کہتا ہوں: یہ تو بالکل آسان معاملہ ہے اور کمزور دلائل اکٹھا کرنے کا محتاج نہیں۔ اور ان میں گھڑت دلائل کے رد سے صرف نظر ہی اہل نظر کے لیے بہتر ہے۔ لیکن بعض حضرات نے اس کا سہارا لیا ہے اس لیے ان کا رد ضروری ہے۔

جاتا چاہیے کہ یہ کلام لفظ یعنی کی وجہ سے مخدوش ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ بعض رواۃ اس کو عبید اللہ العمری سے ایک واسطہ کے ذریعے سے بیان کرتے ہیں۔ یہ تو اجمال ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے۔

جن راویوں نے موسیٰ بن ہلال سے روایت کیا ہے ان میں امام احمد بن حنبل بھی ہیں ان میں سے یحییٰ بن سعید و عبد الرزاق و حماد بن اسامہ و ابو معاذ یہ اور دیگر راوی عن عبید اللہ بن عمر ہیں۔

اور ان میں سے ابوامیہ الطرسوسی و علی بن سعید بن نوح البغدادی یہ دونوں

روح بن عبادہ عن عبید اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں! اور ان میں سے محمد بن اسماعیل الاحمسی و محمد بن جابر المحاربی ہیں یہ دونوں عن وکیع عن عبید اللہ بن عمر کے طریق سے روایت کرتے ہیں اور آقزی (محمد بن جابر) عن ابن عیینہ عن عبید اللہ بن عمر سے روایت کرتا ہے۔

الغرض ضروری ہے کہ اس حدیث موسیٰ بن ہلال عن عبید اللہ بن عمر کی سند پر اتصال کا حکم لگایا جائے جب تک کہ ملاقات کی تلقی کا یقین نہ ہو بلکہ اس میں تو ملاقات کو ترجیح ہے تو اب اس پر اتصال کا حکم لگایا جائے گا اور پھر ابن عبد عبد الہادی کا یہ کہنا کہ موسیٰ بن ہلال عبید اللہ اور عبد اللہ میں امتیاز نہیں کرتا اور یہ نہیں جانتا کہ یہ دو مختلف اشخاص ہیں اور پھر اس پر استدلال اس بات سے کیا کہ وہ چونکہ اہل علم میں سے نہیں اور نہ ہی ضبط کے معاملہ پر اعتماد کیا جاسکتا ہے میں کہتا ہوں: یہ بات ابن عبد الہادی کے دعویٰ اضطراب (جو اس نے اس حدیث کے بارے میں کیا ہے) کے تابع ہے جس کا رد ہم انشاء اللہ کریں گے۔ جس سے پندرہ اشخاص روایت کریں اور ان میں سے مشہور حفاظ حدیث بھی ہوں جو کہ توثیق کے اعلیٰ درجہ میں ہیں۔

(ان میں سے ابن عبد الہادی اور اس کے مذہب کے امام احمد بن حنبل شیبانی

ہیں)

تو کیا انتہا ہوگی تردد، سقوط اختلاط اور جہالت کی کہ جس شخص نے اس حدیث میں اضطراب کا قول کیا ہے اور پھر اس صورت میں بھی عبد الہادی کا کیا حال ہوگا۔ حالانکہ حافظ جلیل یعقوب ابن سفیان الغسوی نے (معرفة وفيات المصريين ۱۲۲/۱) ۱۲۸۰-۱۲۷۰) میں اس پر اعتماد کیا ہے!

اب مقصد کا پانا اور سہل ہو گیا۔ پس حدیث تفسیر المتن اور مشہور الاسناد ہوگی۔

اب اس پر اضطراب کا دعویٰ بہت ہی عجیب ہے جو کرنا آسان ہے مگر ثابت کرنا مشکل۔

محدثین کے نزدیک یہ اصول طے شدہ ہے کہ اضطراب ایسی مختلف روایات میں ہوتا ہے جن کا جمع ہونا متعذر یا ناممکن ہو۔ پس اس باب میں تین مراتب ہونگے تطبیق، ترجیح اضطراب اور تمیز میں ترتیب واجب ہے۔

حافظ عراقی نے فرمایا:

مضطرب الحدیث ما قد وردا
فی متن أو سندان التصفح
بعض الوجوه لعل یکن مضطربا
مختلفا من واحدنا زیدا
فیه تساوی الخلف اما ان رجح
والحکم للراجح متھا واجباً

کسی ایک راوی یا زیادہ سے جب کسی حدیث میں مختلف الفاظ وارد ہوں
تو وہ مضطرب الحدیث ہوگی)

یہ متن یا سند میں اگر واضح ہو جائے اور سند میں برابری ہو تو اس میں سے ایک کو ترجیح دی جائیگی تو یہ اب مضطرب کے حکم میں نہیں کیونکہ راجح کے لیے حکم واجب ہے یعنی راجح پر عمل ہوگا نہ کہ مرجوح پر جب موسیٰ بن ہلال سے تمام روایات دونوں طرف سے صحیح ثابت ہو گئیں تو ان احادیث کو جمع کرنا لازم ہے تو ہم کہیں گے کہ موسیٰ بن ہلال دونوں وجہوں سے روایت کرتا ہے کبھی ایک طریقہ پر اور کبھی دوسرے راوی سے دوسرے طریقہ سے (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

فصل

ابن عبد اللہ ہادی نے (الصائم ص ۳۴) پر کہا۔

اگر بالفرض موسیٰ بن ہلال کی روایت عبید اللہ سے ثابت بھی ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث صحیح ہو کیونکہ اس میں عبید اللہ سے یہ روایت کرنے میں اس کے تمام اصحاب میں سے موسیٰ بن ہلال منفرد ہے حالانکہ عبید اللہ کے دوسرے اصحاب موسیٰ کی نسبت زیادہ اس کے پاس رہے اور اس سے زیادہ وہ اس کی حدیث کے حافظ اور اس سے حفظ و ضبط میں وہ موسیٰ سے بڑھے ہوئے ہیں یہ تمام اشیاء ظاہر کرتی ہیں کہ یہ حدیث منکر اور غیر محفوظ ہے۔ اور عبید اللہ کے اصحاب اس سے روایت کرنے میں معروف ہیں جیسا کہ یحییٰ بن سعید القطان پھر عبید اللہ کے کچھ اصحاب گنوا کر کہا۔

کہ ان تمام مضبوط اصحاب میں سے کسی نے بھی عبید اللہ سے یہ روایت نہیں کی اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور ثقف راوی نے یہ روایت اس سے لی ہے لہذا ثابت ہوا کہ یہ منکر اور غیر مقبول ہے اور ہم یقین سے کہتے ہیں جس نے بھی اسے صحیح یا حسن کہا اس نے خطا کی۔

منکر کے دو شرائط

میں کہتا ہوں جب راوی منفرد ہو تو اس روایت کو منکر کہنے کے دو شرائط

ہیں۔

۱۔ یہ کہ منفرد راوی اتنا ضعیف ہو کہ اس کی حدیث کو صحیح یا حسن قرار نہ دیا

جاسکتا ہو۔

۲۔ یہ کہ اس حدیث کے شواہد و متابعات نہ پائے جائیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

جب مستور یا موصوف بسوء حفظ راوی منفرد ہو یا وہ راوی بعض مشائخ میں

ضعیف ہو جائے بعض کے اور کوئی اس کا متابع یا شاہد بھی نہ پایا جائے تو یہ منکر کی اقسام میں سے ایک قسم ہے (السنکت، ۲، ۶۷۵)

اور موسیٰ بن ہلال العبیدی نہ تو مستور ہے اور نہ ہی اس کا حافظہ کمزور اور نہ ہی یہ اس قدر ضعیف ہے تو اس کی حدیث پر یہ حکم کیسے لگایا جائے گا؟ جبکہ اس سے آئمہ محدثین مثلاً امام احمد بن حنبل کے روایت لی ہے۔ اور امام ابن عدی اس کے بارے میں فرماتے ہیں لا بأس بہ کہ اس میں کوئی حرج نہیں) اور امام ذہبی فرماتے ہیں؛ صالح الحدیث۔ اور اگر ہم ایسے شخص کے تفرد کو مستکر تسلیم کر لیں تو ہم سنت کے بیشتر واقف حصہ سے محروم ہو جائیں گے۔ واللہ المستعان، اور اگر ہم ابن عبدالہادی سے متفرد موسیٰ بن ہلال کی تضعیف تسلیم بھی کر لیں تب بھی اس کی منفرد روایت پر منکر کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے شواہد بہت سارے ہیں بلکہ اس کے متابع بھی ہیں! (جیسا کہ عنقریب بیان ہوگا انشاء اللہ) یہ وہ اصول حدیث ہیں جن سے ابن عبدالہادی نے اپنی تائید کے لیے غفلت سے کام لیا۔

فصل!

اگر ہم موسیٰ بن ہلال العبیدی کو ضعیف بھی تسلیم کر لیں تو بھی کوئی دو شخص اس میں اختلاف نہیں کر سکتے (بشرطیکہ ان میں سے ایک ابن عبدالہادی نہ ہو کہ جب اس حدیث کا متابع پایا جائے اور یہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے تو حدیث حسن ہوگی۔

امام طبرانی نے (المعجم الکبیر ۱۲/۲۹۱) میں اس سند کے ساتھ روایت کی۔

عبد اللہ بن محمد العبادی البصری، ثنا مسلم بن سالم الجبہنی حدیثی عبید اللہ بن عمر عن نافع عن سالم عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جاءنی زائرًا لا یعمل لہ حاجة الا زیارتی کان حقًا علی ان اکون لہ شفیعاً یوم القیامة

بسنہ مذکور۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی صرف میری قبر کی زیارت کے لیے آیا کہ اسکے علاوہ اس کو کوئی اور کام نہیں تھا تو مجھ پر حق ہے کہ میں بروز قیامت اس کا شفیع بن جاؤں۔

امام بشیمی نے (مجمع الزوائد ۲/۲) میں کہا۔

اس کو امام طبرانی نے المعجم الاوسط اور المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں مسلم بن سالم راوی ضعیف ہے! اسی طرح اس کو طبرانی۔ خلعی اور ابن صائم نے روایت کرتے ہوئے کہا، عن نافع عن سالم اور امام ابن المقری نے بھی اپنی معجم میں عن نافع و سالم ہی کہا ہے۔

ان تمام نے، عبد اللہ بن محمد العبادی عن مسلم بن عبید اللہ الحمیری کی سند سے بیان کی ہے۔ اور عبد اللہ بن محمد العبادی البصری کے حالات۔ امام سمعانی نے: الاتساب: میں تحریر کیے ہیں۔ اور اس کا متابع (جو اس سے ثقاہت میں بہتر ہے مسلم بن حاتم الانصاری ہے۔

اس کو ابن حبان۔ ترمذی اور طبرانی نے ثقہ کہا ہے۔

(التہذیب ۱۰/۱۲۵)

وہ اس کو مسلم بن سالم الجعفی عن عبد اللہ بن عمر العمری کی سند سے بیان کرتے ہوئے
 فرمایا۔ حدیثی نافع عن سالم عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 من جاءنی ذاتراً لا یعمل لہ حاجة الا زیارتی کان حقاً علی ان اکون
 لہ شقیفاً یوم القیامة

میں کہتا ہوں جو روایت مسلم بن حاتم الانصاری نے کی ہے وہ زیادہ صحیح
 ہے کیونکہ مسلم، عبد اللہ بن محمد العبادی سے زیادہ ثقہ ہے حاصل کلام یہ کہ مسلم
 بن سالم الجعفی تک سند صحیح ہے لہذا اسی پر کلام کرتے ہیں!
 پھر میں کہتا ہوں کہ اگرچہ امام ابو داؤد نے اس کے بارے فرمایا کہ یہ
 ثقہ نہیں ہے لیکن ابن السکن نے اس کی روایت کو صحیح کہا ہے اور یہ بات
 اس چیز کی مقتضی ہے کہ وہ اس (ابن السکن) کے نزدیک ثقہ ہو۔
 پس جس کی توثیق ابن السکن کرے اور ابو داؤد اس کی تضعیف کرے
 تو وہ راوی بلا شک متابع بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

فصل!

ابن عبد اللہ بن یہاں بھی اپنی عادت کے مطابق بے چین ہوا اور اس نے
 اس متابعت کو ضعیف کہتے ہوئے کہا۔

یہ حدیث ضعیف الاستاد اور منکر المتن ہے یہ احتجاج کی صلاحیت نہیں
 رکھتی۔ اور اس جیسی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور اس کو اصحاب صحاح
 ستہ میں سے کسی نے روایت نہیں کیا اور نہ ہی امام احمد نے اپنی مستند میں
 اور نہ ہی کسی قابل اعتماد آئمہ میں سے کہ جنہوں نے اپنی کتب میں صحت کا احترام
 کیا۔ اور نہ ہی کسی قابل اعتماد امام نے اس کو صحیح کہا کہ جس کی تصحیح پر اعتماد کیا

جاسکے۔ اور اس میں یہ شیخ متفرد ہے کہ جو نقل علم میں معروف نہیں اور نہ ہی حمل حدیث میں مشہور ہے۔ اور نہ ہی اس کا حال ظاہر ہے کہ جس بنا پر اس کی خبر کو قبول کیا جائے، اور وہ مسلمہ بن سالم الجہنی ہے کہ جو اس منکر روایت کے علاوہ کسی اور روایت کے ساتھ مشہور نہیں ہے اور اس کی دوسری روایت جس کو امام طبرانی نے مندرجہ بالا سند کے ساتھ روایت کیا ہے یہ موضوع ہے اور اس کا متن یہ ہے۔

الحجامة في الرأس امان
من الجنون والمجذام والبص
والنحاس والضرس
سر میں پکھنے لگانا، جنون و
کوڑھ، برص، کستی و کاہلی اور
دانت درد کی بیماری سے امان ہے

اور اس سے ایک اور منکر روایت۔ العبادی۔ کے علاوہ راوی تھے روایت کی ہے پس جب ایسا مجہول الحال قلیل الروایت شخص جیسا کہ ان دونوں حدیثوں میں ہے علیہ اللہ بن عمر جو کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی آل میں سے اپنے زمانے میں سب سے زیادہ ثقہ اور عن نافع عن سالم عن ابیہ عبد اللہ بن عمرو کے طریق میں احفظ ہے۔ تمام اصحاب علیہ اللہ جو کہ ثقافت ہیں سے منفرد ہو تو ایسے شخص کے روایت سے احتجاج درست نہیں ہے اور نہ ہی اس کی روایت پر اعتماد جائز ہے۔

اسے حافظ ابو علی بن السکن نے صحیح قرار دیا ہے:

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا ضعیف الاسناد اور منکر المتن ہوتا اس متعارض ہے اور کہ اسے ایک شخص نے صحیح کہا۔ جو اس فن کا امام اور مقتدا ہے۔ یعنی حافظ ابو علی بن السکن (ابن حزم نے جب کتب حدیث

کے مراتب بنائے تو صحیح ابن السکن کو بخاری و مسلم کے بعد تیسرے مقام پر رکھا ہے انہوں نے اس مفروضہ طریق کی تصحیح کی ہے اب کیا خیال ہے؟ پس یہ طریق موسیٰ بن ہلال کا متابع ہے جو حسب قواعد مقبول حدیث ہے۔ اور منکر المتن ہوتے پر کوئی دلیل نہیں "منکر المتن" یہ ایسا دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی سند نہیں ہے یہ صرف سینہ زوری ہے اور ابن عبد الہادی نے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی تاکہ اس دعویٰ کو قائم رکھا جاسکے۔

فن حدیث سے آگاہ شخص یہ اعتراض کر ہی نہیں سکتا

اس (ابن عبد الہادی) کا یہ کہنا کہ اس حدیث کو اصحاب صحاح ستہ اور تہ ہی امام احمد نے اپنی مسند میں اس کو روایت کیا ہے۔ الخ

ایسا اعتراض وہ شخص نہیں کر سکتا جو علم حدیث سے واقف ہو جیسا کہ ابن

عبد الہادی کیونکہ علماء حدیث کے لیے یہ شرط ہرگز نہیں لگانے کہ وہ حدیث ان کتب میں مروی ہو جن کا نام ابن ہادی نے لیا ہے۔ کیونکہ اعتبار سند کا ہے نہ کہ کتاب کا، ماسوائے ان کتب کے کہ جن میں معین شرائط ہیں۔ کیونکہ کتاب حدیث کی قوت اور ضعف میں فائدہ نہیں دیتی ایسے ہی صاحب کتاب، حدیث کو کسی قسم کا فائدہ نہیں دیتا اگر اس کی بیان کردہ سند ضعیف ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کتاب منکرات و اہیات اور موضوعات سے بھری

ہوتی ہے اور مصنف اسمی احادیث صحیحہ اور حسنہ مقبولہ اور متابعات مقبولہ سنداً بیان کر دیتا ہے تو اس حدیث پر صحت یا حسن کا حکم کتاب سے بالاتر ہو کر سند کے حال کے مطابق لگایا جائے گا۔ تمام کتب حدیث کا یہی حال ہے سوائے ان کتب کے کہ جن میں صحیح کی شرط لگائی ہے جیسا کہ اصحاب صحاح اور

حاصل کلام یہ کہ ابن عبد الہادی کا کلام قواعد علم حدیث کے بالکل مخالف ہے کیونکہ صحت حدیث کی شرائط میں یہ شرط ہرگز نہیں ہے کہ وہ فلاں کتاب میں موجود ہو اور فلاں کتاب میں نہ ہو!

اور اس متابعت کی تصحیح ابن السکن نے یوں کی ہے کہ اس نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے! اور اسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط دونوں میں ذکر کیا اور یہ دونوں کتب اسلام کی اہم کتب میں سے ہیں۔

ابن تیمیہ نے (المنہاج ۲/۱۲۲) میں کہا!

کہ احادیث متقولہ کے صدق و کذب کا مدار اس کے طرق (استاد) پر ہوتا ہے۔ غور کرو طرق کہا اور ابن عبد الہادی کا قول کہ اس حدیث میں یہ شارح متفرد ہے۔ الخ میں کہتا ہوں: اس شیخ سے مراد مسلم بن سالم الجہتی ہے جیسا کہ گزرا۔ وہ اس میں متفرد نہیں ہے۔ بلکہ اس کا متابع موسیٰ بن ہلال ہے اور جیسا کہ اوپر کلام مفصل گزر چکا کہ مسلم بن سالم الجہتی متابعات کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اور اس کی دو حدیثیں جن کو طبرانی نے روایت کیا ہے ان پر ابن عبد الہادی نے وضع اور تکارۃ (منکر) کا حکم لگایا ہے۔ پہلی حدیث: وہ پچھنے لگانے والی حدیث ہے کہ سر میں پچھنے لگانا۔ جنوں۔ کوڑھ برص کستی اور دانت درد سے شفا ہے۔

ابن عبد الہادی سے پہلے اس پر کسی نے موصوع ہونے کا حکم نہیں لگایا۔ اس نے اس حدیث پر وضع کا حکم کیسے لگایا جیکہ اس کا شاہد حضرت عبد اللہ

ن عباس سے موجود ہے۔

جسے عقیلی نے (۸۳/۱) اور ابن عدی نے (۲۰۴۳/۶) نے روایت کیا ہے۔

اس میں اسماعیل بن شیبہ الطائفی اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس پر کذب کی

تہمت نہیں ہے۔

جب یہ شاہد مسلم بن سالم الجہنی کے ساتھ مل گیا تو اب اس پر وضع کا حکم

لگاتا تو اعد حدیث کی رو سے نہایت عجیب ہے۔

اور دوسری حدیث تو اس میں معمولی جرح ہے کوئی بڑا معاملہ نہیں ہے اور

اس سے راوی استشہاد سے خارج نہیں ہوتا اور امام ہیثمی نے (مجمع الزوائد

۲/۲۱۱) میں مسلم بن سالم کی صرف تفعیف کی ہے یعنی اس کا متابعات اور

ثوابہ میں اعتبار کیا جائے گا۔ اور یہ قول حافظ، ناقد اور صاحب الرائے محدث

کا ہے کسی تشدد اور جراح کا نہیں ہے کہ اس سے صرف نظر کر لی جائے۔

اور اس (عبدالہادی) کا قول: کہ جب ایسا مجہول الحال اور قلیل الروایۃ شیخ

متفرد ہو جیسا کہ ان دنوں میں آیات میں عبید اللہ بن عمر سے ہے (الحج)

میں کہتا ہوں یہ ایسا دعویٰ ہے جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ اور نہ ہی

یہ راوی مجہول الحال ہے۔ کیونکہ اس بات کی کسی نے تصریح نہیں کی۔ بلکہ اس

سے ایک جماعت نے روایت کی ہے ابن السکن نے اس کی تصحیح بیان کی

ہے۔ اور امام ابو داؤد نے اس کے بارے میں کہا کہ یہ ثقہ نہیں ہے اور یہ

کوفہ میں بنی حرام کی مسجد کا امام تھا اس کے بعد یہ شخص کیسے مجہول ہو سکتا

ہے؟

اور اگر یہ عبید اللہ بن عمر العمری سے متفرد بھی ہوتو کوئی نقصان نہیں کیونکہ

اس کا تابع موسیٰ بن ہلال البصری ہے اور اسی طرح کے شبہہ کا جواب صحیحیچھے کلام گزرا ہے

عبداللہ بن عمر العمری کا مقام

رہی تیسری بات جو عبداللہ بن عمر العمری کے حال سے خاص ہے۔ ابن ابی ہادی نے اس بارے میں کہا۔

ائمہ جراح و تعدیل کی ایک جماعت نے عبداللہ العمری میں کلام کیا ہے۔ اور اس کی طرف سوء حفظ اور روایات میں مخالفتِ ثقات کی نسبت کی ہے امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی نے کتاب (المجرد حصین من المحدثین) میں کہا۔ عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب العمری، عبید اللہ بن عمر کا بھائی اہل مدینہ میں سے ہے وہ نافع سے روایت کرتا ہے اور اس سے عراقیوں اور اہل مدینہ نے روایت کی ہے۔ اس پر نیکی اور عبادت کا غلبہ تھا حتیٰ کہ اخبار کو حفظ کرنے اور اتار کے حفظ میں غفلت برتی پس اس کی روایت میں مناکیر ہیں لہذا جب بخش قسم کی غلطی کرے تو ترک کا مستحق ہے پس اس میں قوت ہوا۔

ہمدانی نے روایت کی وہ عمرو بن علی سے کہ یحییٰ بن سعید عبداللہ بن عمر سے حدیث نہیں لیتے تھے اور ابو حاتم نے کہا کہ یہ وہی ہے جس نے نافع عن عمر کے طریق سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وضو فرماتے تو اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے۔ اور اس نے نافع عن ابن عمر سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

من اتى عرافا فسأله لم تقبل

جو بخونی کے پاس گیا اور اس سے

لہ صلاة اربعین یوماً

سوال کیا تو اس کی نماز چالیس دن

تک قبول نہیں ہوگی۔

اور نافع عن ابن عمر سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اسہم للفارس سہمین و کہ گھوڑ سوار کیلئے دو حصے اور

للو اهل سہما پیدل جہاد کرنیوالے کیلئے ایک حصہ ہے

اس میں ایسے مقلوبات اور ملزومات ہیں جن کا انکار سہر وہ شخص کرے

گا جس کا مطالعہ گہرا اور ان کے مصادر سے واقف ہے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی (جامع) میں فرمایا۔

عبداللہ بن عمر کی یحییٰ بن سعید نے حفظ کی وجہ سے تضعیف فرمائی ہے۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں فرمایا۔ یحییٰ بن سعید اس کی تضعیف کرتے

تھے۔ امام نسائی نے کتاب الکلی : میں فرمایا ضعیف ہے۔

امام عقیلی فرماتے ہیں۔

یحییٰ بن معین نے اس کو ضعیف کہا۔

عبداللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ سے اس کے بارے پوچھا

تو فرمایا۔ یہ ایسا ایسا ہے۔

امام ابو زرہ دمشقی نے فرمایا۔

امام احمد بن حنبل سے کہا گیا کہ عبداللہ بن عمر کی حدیث کیسی ہے تو فرمایا

کہ یہ اسانید میں زیادتی کرتا ہے اور مخالفت کرتا ہے۔ آدمی نیک تھا۔

امام عقیلی نے امام احمد کا یہ قول ابو بکر الاثرم سے بیان فرمایا ہے۔

اسحق بن منصور نے امام یحییٰ بن معین سے روایت کی انہوں نے کہا

(صوریج) ہے۔

امام عبداللہ بن علی المدینی نے اپنے باپ علی بن المدینی سے

روایت کی کہ وہ ضعیف ہے۔ امام یعقوب بن شیبہ نے فرمایا صدوق (سچا)

ہے مگر اس کی حدیث میں اضطراب ہے۔ امام صالح بن محمد البغدادی نے فرمایا

کمزور اور لین الحدیث ہے۔ امام ابو احمد حاکم نے کہا کہ یہ ان کے نزدیک قوی نہیں ہے۔
(الصائم المنکی ۳۶-۳۸)

میں کہتا ہوں کہ ابن عبد الہادی نے زیادتی سے کام لیا ہے کہ جرح تو تمام بیان کردی مگر تعدیل سے صرف چند چیزوں پر قناعت کی۔

اب جو شخص ابن عبد الہادی کی عبارت تک ہی محدود رہے گا تو وہ سمجھے گا کہ یہ راوی واقعی ضعیف ہے لیکن فی الواقع اور نفس الامر اس کے بالکل لٹ ہے۔ لہذا ان درج ذیل امور کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

فصل

ابن حبان جرح میں متشدد ہیں:

۱۔ ابن حبان نے یہ کلام (المجروحین ۶/۲) میں کہا ہے۔

ابن حبان کا جرح میں مبالغہ کرنا اور متشدد ہونا مشہور ہے
محدثین کی ایک جماعت نے ابن حبان کا تشدد اور مبالغہ بیان کیا ہے

ان میں سے امام ذہبی اور ابن حجر بھی ہیں

امام ذہبی (المہیزان ۱/۲۴۳) میں اقلع بن سعید کے حالات میں ابن حبان کے قول (کہ یہ ثقافت سے موصوعات روایت کرتا ہے اس سے احتجاج جائز نہیں اور اس سے کسی حال میں بھی روایت نہیں لی جائے گی) پر فرماتے ہیں۔

ابن حبان بعض اوقات ثقہ راوی پر جرح کرتا ہے حتیٰ کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے منہ سے کیا نکل رہا ہے۔ اور محمد بن فضل السدوسی المعروف بصائم

کے حالات (۸/۴) میں فرمایا۔

دارقطنی نے کہا کہ آخر میں اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا اور اختلاط کے بعد اس پر حدیث منکر ظاہر نہیں ہوتی تھی۔
اور عام ثقہ ہے۔

میں (ذہبی) کہتا ہوں یہ قول اپنے زمانے کے اس حافظ کا ہے کہ
امام نسائی کے بعد اس جیسا کوئی نہیں آیا۔ اب ابن حبان کا قول کہاں
گیا جو اس نے عام کے بارے کیا۔

یہ آخری عمر میں مختلط اور متغیر ہو گیا تھا حتیٰ کہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا
بیان کر رہا ہے پس اس کی حدیث میں کثرت سے منکر روایات واقع ہو
ہو گئیں پس واجب ہے کہ اس کی ایسی حدیث سے اجتناب کیا جائے جو
اس سے متاخرین کی ہیں۔ اور جب اس کی تمیز نہ ہو سکے تو اس کی تمام احادیث
کو ترک کر دینا چاہیے اور کسی شے میں بھی اس سے احتجاج نہ کیا جائے گا۔
اور ایوب بن عبدالسلام کے ترجمہ (۲۹۰/۱) میں کہا۔

ابن حبان صاحب طعن تشنیع اور صاحب تشغیب ہے۔ اور سوید بن عمرو
الکلبی کے ترجمہ میں انکی ابن معین وغیرہ سے توثیق بیان کرنے کے بعد کہا۔
ابن حبان حد سے بڑھ گیا اور اسراف کرتے ہوئے کہا کہ یہ شخص اسناد کو قلب
کر دیتا ہے اور صحیح اسناد کے ساتھ من گھڑت متون بیان کر دیتا ہے۔

(المیزان ۱/۲۵۳)

اور عثمان بن عبدالرحمن الطرائفی کے حالات (۴۵/۳) میں فرمایا۔

اور ابن حبان نے اپنی عادت سے مجبور ہوتے ہوئے کہا۔

یہ ضعیف لوگوں سے اشیاء روایت کرتا ہے اور ثقات سے

تدلیں کرتا ہے کہ ستنے والے کو شک بھی تمہیں گزرتا کہ یہ موضوع ہے پس اس کی اخبار میں موضوعات کی دھرمار ہو گئی تو لوگوں نے اس پر جرح کی میرے نزدیک اس سے کسی حال میں بھی روایت لینا جائز نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ابن حبان کا کلام اس باب میں تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ خاص کر ایسے رجال کے بارے میں جن کی توثیق کی گئی ہے۔ ابن حبان نے دلیل کے طور پر عبد اللہ العمری کی تین احادیث بیان کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان میں عبد اللہ نے خطا کی ہے۔

۱۔ کہ اس نے نافع بن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وضو فرماتے تو داڑھی شریف کا خلال کیا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اس روایت میں کوئی علت ہے تو وہ عبد اللہ

العمری سے روایت کرنے والے راوی میں ہے۔

اس پر محدثین کی تصریح موجود ہے مثلاً

امام طبرانی نے المعجم الاوسط (مجمع البحرین ۱/۳۹) میں کہا یہ روایت

سوائے مؤمل بن اسماعیل کے اور کسی نے عبد اللہ العمری سے نہیں کی۔

اور مؤمل بن اسماعیل کی جماعت محدثین نے تضعیف کی ہے امام بخاری

ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ منکر الحدیث ہے۔

پس اولیٰ بلکہ واجب ہے کہ اس علت کا سبب مؤمل بن اسماعیل

کو ہی بتایا جائے۔

۲۔ امام ابن حبان نے کہا کہ عبد اللہ نے روایت کی نافع سے انہوں نے

ابن عمر سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کوئی بخونجی کے

پاس آیا اور اس سے سوال کیا اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہیں ہوتی۔ اسے ابن وہب نے (الجامع، ۴/۱۱۱) میں اس طرح بیان کیا ہے۔

میں نے عبد اللہ سے سنا وہ نافع سے روایت کرتا ہے وہ حضرت ابن عمر سے مرفوعاً بیان کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن حبان کا خیال ہے کہ عبد اللہ نے اپنے بھائی کی مخالفت کی ہے جس نے اس روایت کو نافع عن صفیۃ عن بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق سے مرفوعاً بیان کیا ہے۔

اس سند سے اس کو مسلم نے اپنی (صحیح ۴/۱۵۱) امام احمد نے اپنے مسند میں (۴/۶۸) ابو نعیم نے (حلیہ ۱۰/۴۰۷) اور تاریخ اصباحان میں اور بیہقی نے (السنن الکبریٰ ۸/۱۳۸) میں روایت کیا۔ پس ابن حبان نے عن نافع عن صفیہ والی مسند کو صواب قرار دیدیا۔ حالانکہ ابو نعیم نے (حلیہ ۸/۲۶۶) میں ابواسحاق السبعی عن سعید بن وہب عن ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت بیان کی۔

میں کہتا ہوں کہ ابواسحاق السبعی اور سعید بن وہب دونوں معروف اور ثقہ ہیں یہ متابعت ظاہر کرتی ہے۔ یہ حدیث سند عبد اللہ بن عمر سے صحیح ہے اور اس میں عبد اللہ العمری نے کوئی خطا نہیں کی جیسا کہ عبد اللہ العمری کو خاطر قرار دینے والوں نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔

۱۳۔ ابن حبان نے کہا۔ کہ نافع نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گھوڑ سوار مجاہد کے لیے مالِ غنیمت میں سے دو حصے اور پیدل مجاہد کے لیے ایک حصہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن حبان کا خیال ہے کہ اس میں عبد اللہ العمری نے

اپنے بھائی عبید اللہ کی مخالفت کی ہے کہ اس نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل
الفرس سہمین ولصاحبہ
اور پیدل کیلئے ایک حصہ
سہمًا۔ ہے۔

اس کا جواب وہی ہے جو کہ علامہ ابن حجر نے (فتح الباری ۶/۶۸) میں دیتے ہوئے کہا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ایک حصہ گھوڑے والے کیلئے اس کے گھوڑے کے سبب اس حصہ کے سوا ہے جو کہ اس کا اپنا مخصوص حصہ ہے۔ اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس میں عبد اللہ العمری نے خطا کی ہے تو یہ اس کی ہر روایت کے لیے تو نقصان دہ نہیں ہوگی۔ اور زیادہ روایات کرنے والا آدمی کبھی کسی حدیث میں غلطی کر جائے تو اس کا جو حکم ہوتا ہے اس کے مطابق ہوگا

اعتراض و جواب:

اور اگر کہا جائے کہ معنی ترک ابن حبان کے علاوہ ابن عمار الموصلی نے بھی ذکر کیا ہے اور وہ ابن عمار الموصلی ہیں جیسا کہ (تہذیب التہذیب ۵/۳۲۸) میں ہے کہ اس کو سوائے یحییٰ بن سعید کے کسی اور نے ترک نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں کہ عمرو بن علی القلاس نے کہا کہ یحییٰ بن سعید اس سے روایت نہیں کرتے۔ یہ اور اس کے علاوہ کسی نے بھی یحییٰ بن سعید کی اس سے عدم روایت پر دلیل بیان نہیں کی۔ اور ماہر قرن جانتا ہے

کہ ابن عمار نے ترک کا لفظ یہاں اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں کیا۔ بلکہ ان کا لفظ بمعنی عدم روایت لیا ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے جو ذہن میں رکھنا چاہیے اور اس کی تائید و وضاحت امام ابو عیسیٰ، ترمذی کا قول کرتا ہے جو (العلل سے شرح ۱۲۱) میں ہے! کہ یحییٰ بن سعید سے منقول کہ جب ایک آدمی اپنے حفظ سے حدیث بیان کرے اور دوسری مرتبہ اس کے علاوہ بیان کرے تو ایک روایت پر اس کا ترک ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان لوگوں سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ جن کو یحییٰ بن سعید القطان عبد اللہ بن الہادی جس نے عبد اللہ العمری کی حدیث میں عیب بیان کیا ہے ایک راوی کے بارے میں خود کہتا ہے کہ یحییٰ بن سعید کا کسی راوی سے خوش نہ ہونا اس کے روایت کے قاصر نہیں ہے کیونکہ یحییٰ کی شرائط رجال کے بارے میں بڑی سخت ہیں اور اسی لیے وہ خود کہتے ہیں کہ میں کسی راوی سے راضی نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس راوی سے پانچ آدمی روایت کریں۔ اس حیثیت سے اگر وہ کسی راوی سے روایت نہیں کرتے تو وہ عبد اللہ العمری کی طرح ہی ہوگا۔ (فتاویٰ)

ترک کا معنی روایت نہ لینا بھی ہے

حافظ ابن حجر نے مقدمہ الفتح الباری (۲۰۲) میں زبیر البصری کے حالات میں فرمایا۔

امام باجی نے بخاری کے رجال کے بارے میں علی بن مدینی سے بیان کیا کہ اس کو شعبہ نے ترک کیا ہے تو میں کہتا ہوں ان کی اس سے مراد یہ ہے کہ شعبہ نے اس سے روایت نہیں لی۔ اور ان دونوں لفظوں

میں واضح فرق ہے۔ اور کبھی روایت نہ لینا ایسے شبہ کی بنا پر ہوتا ہے جس سے حرج لازم نہیں آتی۔ اور قابل التفات نہیں ایک ان دلائل میں سے جو دلالت کرتے ہیں کہ عبد اللہ العمری کے بارے میں ابن حبان کا قول غیر معمولیہ اور قابل التفات نہیں ایک دلیل ہے کہ العمری کے بارے میں محدثین کی دو آراء ہیں بعض ان کی روایت کو قبول کرتے اور بعض انہیں ضعیف قرار دیتے ہیں اور یہ دوسرا گروہ بھی ان کی حدیث کو بطور متابع اور شواہد قبول کرتا ہے۔ اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ متروک کی حدیث متابعات اور شواہد میں بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ پس معلوم ہوا کہ اس کا ضعف ان کے نزدیک نہایت خفیف ہے جو کہ متابع اور شاہد کے آتے سے ذائل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی حدیث حسن لغیرہ کے درجہ میں ترقی کر جاتی ہے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس سے امام مسلم نے صحیح میں اسکے بھائی عبد اللہ کے ساتھ منقرونا روایت لی ہے۔

یہی جس راوی سے امام مسلم اپنی صحیح میں اخراج کریں اگرچہ کسی دوسرے کے ساتھ منقرونا ہی ہو تو کیا اس کا حال وہ ہوگا جو کہ ابن حبان نے بیان کیا اور ابن عبد الہادی نے اس پر اعتماد کیا۔

دو وجہ سے محل نظر

ابن عبد الہادی نے امام احمد بن حنبل سے ان کا یہ قول نقل کیا کہ یہ ایسا ایسا ہے اور یہ سندوں میں زیادتی کرتا اور مخالفت کرتا ہے لیکن آدمی نیک تھا:

میں کہتا ہوں کہ جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے تو وہ دو وجہ سے محل نظر ہے۔

۱:- امام ذہبی نے میزان (۳/۳۸۳) میں یونس بن ابی اسحاق السبیبی کے حالات میں امام احمد کے قول (کذا وکذا) کے بارے میں فرمایا۔ کہ یہ قول عبد اللہ بن احمد زیادہ تر ان کے بارے میں استعمال کرتے ہیں جن کے بارے میں ان کے والد نے آگاہ کیا دیگر مقامات پر اس کا استعمال بتاتا ہے کہ یہ اس راوی کے بارے میں ہے کہ جس میں لین ہو اور لین کا درجہ ضعیف سے نہایت کم درجہ ہوتا ہے۔

لیکن افسوس ابن عبد الہادی نے امام احمد کا وہ قول ذکر نہیں کیا جو العمری کی توثیق پر دلالت کرتا ہے۔ انہوں نے کہا۔

صالح لا یاس بہ وقد اوی یہ صالح آدمی ہے اس میں کوئی
عنه الناس صرح نہیں اور بہت لوگوں نے اس

سے روایت لی ہے

(المرج والتعدیل ۱۰۹/۵ - ۱۱۰)

۲- امام ابن عدی نے (الکامل) - (۱۴۶۰/۱) میں باسند -

امام احمد سے العمری کے بارے نقل فرمایا کہ وہ ایسا ایسا ہے۔
ابوطالب نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے العمری کے متعلق پوچھا
تو انہوں نے فرمایا۔

صالح قدس اوی عنہ صالح ہے اور اس سے روایت لی
لابأس به ولكن ليس گئی ہے اس میں کوئی حرج نہیں
مثل أخيه عبید اللہ لیکن یہ اپنے بھائی عبید اللہ کے
مثل نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام احمد بن حنبل کے اقوال سے آگاہ آدمی جانتا ہے
کہ ان کا کلام اس راوی کی توثیق نسی یا ضعف — بیان کر رہا ہے۔
کیونکہ دوسرا لفظ لا کر معنی متعین کر رہا ہے کہ وہ نسبت اپنے بھائی
عبید اللہ (جو کہ زبردست ثقہ اور حافظ ہے) سے نچلے درجے میں ہے۔

امام سخاوی کا اہم نوٹ

اور امام سخاوی نے جرح و تعدیل نسی پر (فتح المغیث ۱/۳۴۸)
میں یہ نوٹ لکھا ہے۔

ضروری ہے کہ تزکیہ کرنے والوں کے اقوال و مخارج میں آدمی غور
فکر کرے۔ کبھی وہ کہتے ہیں۔ فلاں ثقہ ہے یا ضعیف ہے تو اس
سے انکی مراد یہ نہیں ہوتی کہ ان کی روایت سے احتجاج درست ہے
یا اس کی روایت کو رد کر دینا چاہیے بلکہ یہ اس شخص کی نسبت ہوتا
ہے جو کہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں سائل
سوال کرتا ہے۔ وہ قاضی کے بارے میں اس کے حدیث متوسط ہونے

کے بارے سوال کرتا ہے اور وہ ضعفا کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ تو وہ کہتا ہے فلاں ثقہ ہے تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ ضعیف نہیں اور جب اس سے صرف اکیلے کے بارے میں سوال ہوتا تو وہ اس کا حال متوسط بیان کرتا ہے اس کی بہت ساری مثالیں میں مگر ان کے ذکر سے کلام طویل نہیں کرنا چاہتے۔ (یعنی راوی بذاتِ خود متوسط درجہ کا ہے لیکن جب اس کے ساتھ دوسرا شخص ملا ہوا ہو اور دونوں کے بارے میں اکٹھا سوال ہو تو ضعیف راوی کی نسبت اس کو مطلقاً ثقہ کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ وہ متوسط طبقہ کا ثقہ ہوتا ہے اسی طرح مطلقاً ضعیف کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ وہ متوسط درجہ کا ضعیف ہوتا ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ روایت عبداللہ کے مطابق امام احمد کا المعری کو کمزور کہنا اس کے بھائی عبید اللہ کی نسبت (جو ثقہ اور حافظ ہے) اور اس کی تائید ابن عبد اللہ ہادی سے بھی آئے گی۔ (انشار اللہ)

فصل

امام ابن معین کی توثیق

ابن عبد اللہ ہادی نے امام یحییٰ بن معین سے دو قول نقل کیے ہیں پہلا یہ کہ اس کا ضعیف ہونا دوسرا اس کا نہایت ہی کم درجہ کا صالح

ہوتا۔

مگر ان کے بارے میں یحییٰ بن معین نے جو کچھ کہا ہے وہ تمام کا احاطہ
تہیں کیا۔

ابن ابی مریم نے یحییٰ بن معین سے ان کے بارے میں نقل کیا۔
لیس بہ یأس اس میں کوئی حرج نہیں اور اس
یکتب حدیثہ حدیث لکھی جاتی ہے۔
اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ ابن معین کا کس شخص کے بارے میں لیس بہ
یأس کہتے کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ ثقہ ہے۔

عثمان بن سعید الدارمی کہتے ہیں میں نے ابن معین سے کہا کہ عبد اللہ بن عمری
کا نافع سے کیا حال ہے فرمایا کہ صالح ثقہ ہے (الکامل ۱۴۵۹/۴۰)
۱۔ ابن معین سے عمری کی مطلقاً توثیق مروی ہے
۲۔ اس سے اس کی روایت بالخصوص نافع سے توثیق ہے۔ جیسا کہ ہماری
یہ حدیث ہے۔

یہ امام جرح والتعدیل کی طرف سے نزاع کو ختم کرنے کے لیے
نص تاطع ہے۔

جس امام دارمی نے امام ابن معین سے یہ نص روایت کی ہے
وہ ان کے مشہور اور معتبر ترین شاگردوں میں سے ہے۔

سابقہ عبارات سے معلوم ہوا کہ امام احمد اور امام جرح والتعدیل
یحییٰ بن معین کے اقوال میں سے راجح اقوال کے مطابق عبد اللہ بن
عمری کی حدیث مقبول ہے اور جب تک اس کی مخالفت نہ پائی
جائے گی اس پر اعتماد کیا جائے گا۔ یہ اس کی مشہور جمہور ثقات کے
نزدیک شان ہے۔

فصل

عبداللہ بن عمر العمری کی توثیق پر ائمہ محدثین کی تصریحات

جب قارئین کرام پر یحییٰ بن معین و احمد بن حنبل اور ابن حبان کے «العمری» کے بارے میں اقوال کی حقیقت واضح ہو چکی تو اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اس کو جماعت ائمہ نے ثقہ کہا ہے اور بہت سے حفاظ امت نے اس پر اعتماد کیا ہے اور یہ کتب جرح و تعدیل میں مشہور و مسطور ہے۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ امین عبدالہادی نے ان اقوال توثیق کو بیان نہیں کیا۔ اور «العمری» کو ثقہ کہنے والوں میں (جس کا ذکر ابن عبدالہادی نے نہیں کیا) وہ امام العلم احمد بن صالح المصری ہے۔ (ثقات ابن شاہین ۱۵۱)

امام ابو حاتم الرازی (المجرح ۵/۱۱۰) میں بیان کرتے ہیں۔
میں نے احمد بن صالح کو دیکھا کہ یحسن الثناء علی عبداللہ العمری وہ
عبداللہ بن عمر العمری کی تعریف کرتے تھے۔
امام عیسیٰ نے فرمایا۔

لابأس بہ (الثقات ۲۳۹) کہ اس سے روایت کرنے میں
کوئی عرج نہیں ہے۔

امام ابن شاہین نے اس کو ثقہ کہا کیونکہ انہوں نے اس کو اپنی
(کتاب الثقات ۱۵۱) میں ذکر کیا ہے۔

امام خلیلی نے فرمایا۔

ثقفہ ہے لیکن حفاظِ حدیث اس کے حفظ سے راضی نہیں ہیں اور ان کا کہنا کہ "حفاظِ حدیث ان کے حفظ سے راضی نہیں" کا مفہوم یہ ہے کہ بہت زیادہ محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ ایسے اقوال کی مثال (مقدمہ فتح الباری ۴۲۰) میں ملاحظہ فرمائیں۔

بیشاید اس سے مراد یہ ہو کہ اس کا حافظہ اپنے بھائی عبید اللہ العمری کی طرح قوی نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں بہت سارے اقوال اس کے بھائی کی مقارنت کی وجہ سے واقع ہوئے ہیں۔

جیسا کہ امام ابن عدی کی اس سلسلہ میں تصریح آ رہی ہے۔

الغرض یہ راوی امام ابو یعلیٰ الخلیلی کے نزدیک ثقفہ ہے۔

عبدالرحمن بن زہدی اس سے روایت کرتے ہیں اور اس کی ابو یعلیٰ

الموصلی تحسین کرتے ہیں اور ایسے ہی یعقوب بن شیبہ اس کو حسن کہتے

ہوئے (تاریخ بغداد: ۱۰/۲۰) میں کہا۔

صدوق ہے مگر اسکی حدیث میں اضطراب ہے۔

حدیث میں اضطراب کا ہوتا اس کو ثقفہ اور صدوق کی تفسیر سے

خارج نہیں کرتا۔

ابن السکن نے اس کی حدیث کو صحیح کہا اور یہ ان کی طرف سے اس

کی توثیق ہے۔

اور امام ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا (ترمذی مع شرح تحفہ

۳۹۱/۹ - ۳۹۲) باب ما یقول اذ ارای مبتلی۔ اور باب فی ثواب الحج (۳۹۰/۳)

اور باب دخول مکہ نہارا)

(یہاں عبدالرحمن مبارکپوری کو سہو ہوا کہ اس نے اسے عبید اللہ بن عمر العمری سمجھا حالانکہ یہ عبید اللہ بن عمر العمری ہے) (تحفۃ ۶ : ۱۰۷)

امام بخاری نے اس کی حدیث کی تصحیح کو جائز رکھا جیسا کہ ان کی عبارت د جزء رفع الیدین ۲۵ میں کس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور انہوں نے اس کو اپنی صحیح کی کتاب العلم باب المناولہ (الفتح ۱ / ۱۵۴) میں ذکر کیا اور کرمانی نے جزم کیا ہے کہ یہ العمری ہے اور امام بد الدین عینی بھی اس طرف مائل ہیں (۱ / ۴۰۷) اور حافظ ابن حجر نے ان دونوں کی مخالفت کی ہے (الفتح ۱ / ۱۵۴) اور امام ابن کثیر نے سورہ القضص کے شروع میں ان کی تحسین کی ہے اور امام المنذری نے الترغیب والترہیب میں اس کو حسن کہا ہے۔ (لیکن اس وقت مقام یاد نہیں کہ کہاں ذکر کیا ہے) ابن عدی نے (الکامل : ۵ / ۱۸۶۹) میں کہا کہ لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے۔ یعنی لوگوں نے اس کی حدیث قبول کی ہے!

امام ابن عدی نے (الکامل ۴ / ۱۲۶۱) میں فرمایا:

عبید اللہ عمر کی حدیث صالح ہے اور اس سے ابن وہب اور وکیع جیسے ثقافت نے روایت لی ہے اور ان کی روایات میں کوئی خرج نہیں اور ائمہ نے ان کے بارے میں فقط یہ فرمایا کہ وہ اپنے بھائی عبید اللہ کی طرح ثقہ نہیں ہے لیکن بذات خود صدوق ہے اور اس سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابن عدی کا یہ قول ان کے بارے میں نہایت ہی معتدل

ہے۔

پس متکلم فیہ راوی کی حدیث حسن شمار ہوگی جب تک کہ اس کی مخالفت اس سے زیادہ ثقہ سے ثابت نہ ہو۔ اور اس کا ترجمہ ان کے ساتھ ملا ہوا ہوگا کہ جن روافا کی روایت کو محدثین نے حسن قرار دیا ہے جیسا کہ محمد بن اسحاق، عبد اللہ بن محمد بن عقیل یہ ان سے علیحدہ نہیں ہوگا مگر کہ کسی شخص کی حدیث کی تحسین ذکر کی جائے۔ اور اسی طرف امام ذہبی گئے ہیں۔

انہوں نے (المغنی ۱/۳۴۸) میں بیان فرمایا۔

صدوق حسن الحدیث۔ کہ سچا اور حسن الحدیث ہے۔

اور امام ذہبی نے اپنی دو کتابوں (الکاشف: ۲/۹۹) اور (الدلیان:

۱۷۳) میں اس کے بارے میں صرف عبارات توثیق پر ہی اکتفاء و اختصار کیا ہے (اور عبارات جرح بیان ہی نہیں کیں جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ امام ذہبی کے نزدیک اس کی تعدیل ہی راجح ہے مترجم) اور اس راوی کو اپنی کتاب (من تکلم فیہ وہ موثق: ۱۱۳)

میں بیان کیا ہے۔

حافظ سخاوی نے (التحفة اللطیفة ۳/۳۶۶) میں فرمایا۔

کان عالماً صالحاً کہ یہ عالم صالح بہتر و افضل

خیراً صالح الحدیث اور صالح الحدیث ہے

۱۔ اس رسالہ میں امام ذہبی نے ان راویوں کا ذکر کیا ہے کہ جن پر جرح کی گئی

ہے مگر انکی توثیق راجح ہے جیسا کہ رسالہ کے نام سے ہی ظاہر ہو رہا ہے (مترجم غفرلہ)

فصل

اگر ہم عبد اللہ بن عمر العمری کو بالفرض محال ضعیف بھی تسلیم کر لیں۔
امام عثمان بن سعید نے کہا میں نے یحییٰ بن معین سے کہا کہ عبد اللہ
العمری کا نافع سے کیا حال ہے؟ فرمایا یہ صالح اور ثقہ ہے

(الکامل: ۱۴۵۹/۲)

میں کہتا ہوں کہ یہ راوی یہاں نافع سے ہی روایت کر رہا ہے۔
امام الحجرج والتعدیل یحییٰ بن معین کی طرف سے نزاع کے ختم کرنے کے
لیے یہ نص قاطع ہے۔

تنبیہ

ابن عبد الہادی نے۔ الصارم المنکی میں عبد اللہ بن عمر العمری کی روایت
کو ضعف پر محمول کر کے ضعیف قرار دیا ہے تعجب ہے کہ یہی راوی جب
وہ "التنقیح" میں لاتا ہے تو اس کو قوی قرار دیتا ہے اور اسے ضعیف
کہتے والے اور اس سے احکام میں احتجاج نہ کرنے والے کا رد کیا ہے
جب مخالفت عبد اللہ بن عمر العمری کو ضعیف کہتا ہے تو اس کے
جواب میں ابن عبد الہادی (۱۳۲/۱) کہتا ہے اور عبد اللہ بن عمر کی
روایت کے بارے میں یحییٰ بن سعید نے اس کو فرمایا۔ کہ اس میں کوئی
حرج نہیں ہے۔ اور اس سے ان کی مراد اس کی توثیق ہے۔

پھر دوسرا تعجب یہ ہے کہ جب یہ علم ہو گیا کہ یحییٰ بن معین کی یہ
روایت عبد اللہ بن عمر العمری کی توثیق کا فائدہ دیتی ہے تو اسے ابن

عبدالہادی نے الصارم میں اشارتاً بھی اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ (نساء
اللہ العاقبة)

القرض مذکورہ تفصیلی سے واضح و ثابت ہو گیا۔

من ترار قبوی وجبت یقیناً حسن ہے اور یہی قواعد حدیث

لہ شفاعتی کا تقاضہ ہے

اور جہاں تک متکبر اور صندی شخص کا معاملہ ہے تو وہ نہ ہمارا مخاطب ہے

اور نہ ہی اس سے کلام مقصود ہے۔

دوسری حدیث

«من زارنی فی مہاتی کان
کمن ترارنی فی حیاتی
ومن ترارنی حتی ینتھی الی
قبری کنت لہ شہیداً
یوم القیامۃ»
جس نے ہمارے وصال کے
بعد ہماری زیارت کی گویا کہ اس
نے ہماری ظاہرہ حیاتی میں زیارت
کی اور جو میری زیارت کیلئے میرے
روقتہ تک پہنچا میں قیامت
کے دن اُسکی شفاعت کرونگا۔

اس کو عقیلی نے (الضعفاء : ۳/۴۵۴) میں اس سند سے مرفوعاً روایت

کیا ہے۔

حدثنا سعید بن محمد الحضرمی ثنا فضالة بن سعید بن زریل

المأمری حدثنا محمد یحیی الباری عن ابن جریج عن عطاء عن

ابن عباس به مرفوعاً۔

امام تقی الدین السبکی نے (الشفاء السقام: ۳۸) میں اپنی سند کے ساتھ ابن عساکر کے طریق سے عقیلی کی مذکورہ سند کیا تھو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

من رآنی فی المنام کان
 کمن رآنی فی حیاتی! گویا کہ اس نے مجھے ظاہری
 حیات میں دیکھا۔

صحیح الفاظ وہی ہیں جو کہ عقیلی نے نقل کیئے ہیں۔ ہاں ابن عساکر کی روایت بھی صحیح ہے اور لفظ زیارت دونوں میں ہی موجود ہے۔ اس حدیث میں فضالہ بن سعید بن زمیل اور اس کے شیخ محمد بن یحییٰ بن قیس المأربی کی وجہ سے علت بیان کی گئی ہے! جہاں تک فضالہ بن زمیل المأربی ہے اس کے بارے میں عقیلی نے (لغواء ۳/ ۴۵۷) میں کہا کہ اس کی حدیث غیر محفوظ ہے اور یہ حدیث اس کے سوا سے معروف نہیں ہے۔ حدیث بیان کرنے کے بعد کہا کہ محل بحث اس کی اسناد ہیں۔

یہ حدیث ایک اور سند سے مروی ہے اور اس میں بھی کمزوری ہے۔

عقیلی کا کلام ان امور پر دلالت کر رہا ہے۔

۱۔ یہ کہ فضالہ بن سعید المأربی کی حدیث غیر محفوظ ہے

۲۔ یہ مفرد ہے۔

۳۔ اس سند میں کمزوری ہے۔

تیسرے امر کا خلاصہ یہ ہے کہ عقیلی کی نظر میں اس سند میں کمزوری

ہے اور یہ ظاہر ہے کہ لہجہ کا درجہ ضعیف سے بہت ہی کم ہے۔
حافظ ذہبی پر تعجب ہے کہ انہوں نے فضالہ بن سعید بن زمیل المأربی
کے ترجمہ میں یہ حدیث ذکر کی پھر (۳۲۹/۳) میں کہا سیرا بن جریج پر موضوع
ہے۔

سند اور متن میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ذہبی کے دعوے کی مدد کر
سکے۔ یہ ایسا دعویٰ ہے کہ جس پر دلیل نہیں ہے اور نہ ہی ذہبی نے
اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش کی ہاں عقیلی کا یہاں کلام ذہبی سے زیادہ
مضبوط اور قوی ہے!

فصل

اور محمد بن یحییٰ بن قیس المأربی کو دارقطنی (سوالات ابرقانی: ۴۶۴)
نے ثقہ کہا، ابن حبان نے (۴۵/۹) اور ابن ابی حاتم نے ان سے جماعت
محدثین کا روایت کرنا (الجرح والتعدیل ۱۲۳/۸) بیان کیا اور اس میں
جرح اور تعدیل ذکر نہیں کی۔ اور ابن حزم نے کہا: مجہول ہے!
پس اس میں دارقطنی اور ابن حبان کی توثیق قبول کی جائے گی۔
کیونکہ یہی قواعد حدیث کے مطابق ہے کیونکہ عالم، جاہل کے خلاف
ہوتا ہے۔

اعترض و جواب

اور اگر کہا جائے کہ اس بارے میں ابن عدی نے (الکامل ۲۲۹/۶)
میں کہا کہ اس کی احادیث۔ مظاہرہ اور منکرہ ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ابن عدی کی طرف سے سراسر زیادتی ہے۔
اس نے اس کے ترجمہ میں دو حدیثیں ذکر کیں۔

پہلی :- شہروں کی مدح و ذم میں ہے پس اس کو اس سے روایت کرنے والے پر حمل کیا جائے گا۔ اور وہ خطاب بن عمر الہمدانی ہے۔
ذہبی نے اس کے ترجمہ میں (المیزان) میں کہا کہ یہ مجہول ہے اور اس کی حدیث شہروں کے بارے میں تھوٹ ہے!
اور عقیلی نے صحیح بات کی کہ یہ موضوع حدیث اس نے خطاب بن عمر الہمدانی کے ترجمہ میں ذکر کی (۲۵/۲)

اور دوسری حدیث جس کو ابن عدی نے محمد بن یحییٰ المأربی کے ترجمہ میں ذکر کیا وہ حدیث استقطاع ہے جس کی اصحاب سنن وغیرہم نے تخریج کی ہے۔

اس کی تصحیح ابن حبان (۳۵۱/۱۰) نے کی ہے تو بات کرنا آسان ہے مگر ایسا شخص اس کا مستحق نہیں ہے کہ اس میں کہا جائے کہ اس کی احادیث مظلمہ اور منکرہ ہیں۔ کیا بنے گا ان کثیر احادیث کا جو اس وصف کی مستحق ہیں؟

امام ذہبی نے (الکاشف ۳/۹۵) میں اسکی توثیق کی ہے!
پس یہ بات تقاضہ کرتی ہے کہ جو کچھ محمد بن یحییٰ المأربی کے ترجمہ میں (المیزان ۴/۶۲) میں بیان کیا ہے اس میں تردد ہے۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن یحییٰ المأربی میں اسکے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ وہ ہے جسے ابن حجر نے (التقریب ۵۱۳) میں بیان کیا۔ کہ یہ لین الحدیث ہے اور ترمذی — ایسے راوی کو (جس میں

مذکورہ بالا کلام ہو) حسن کہتے ہیں!

اہم نوٹ

ابن عبدالمادی کی محمد بن یحییٰ المأربنی کے بارے میں رائے غلط ہے بلکہ یہ تشدد اور انصاف سے بہت دُور ہے اس نے بیان کیا کہ یہ شخص متکلم فیہ ہے اور پھر اس پر جرح اور اسکی تضعیف کو ترجیح دی اور اس پر ابن عدی کا کلام ذکر کیا اور تائید میں شہروں کی مدح و ذم میں مروی حدیث پیش کی حالانکہ یہ گزر چکا کہ اس حدیث کا بوجھ خطاب بن عمر الہمدانی مجہول پر ہے پھر اس پر رکا اور وارقطنی کی توثیق کی صراحت ذکر نہیں کی جو کہ اس نے (سوال التبرانی ۴۶۴) میں کی ہے بلکہ اس نے زیادتی کرتے ہوئے موضوع حدیث بھی ساتھ ذکر کر دی (اللہ تعالیٰ سے سلامتی اور حفاظت کا سوال کرتے رہنا چاہیے۔)

اور بعض کے گمان کے مطابق اس حدیث میں تیسری علت ہے جس پر ابھی کلام باقی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس میں ابن جریر یعنی عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریر مدلس ہے اور اس نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

اس کا جواب! یہ ہے کہ ابن جریر نے یہ روایت عطاء سے کی ہے اور اس کی عطاء سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہے چاہے وہ سماع کی صراحت کرے یا نہ کرے کیونکہ ابن جریر نے کہا! جب میں کہوں کہ عطاء نے کہا تو میں نے اس سے یہ سنا ہوتا ہے اگرچہ میں "سمعت" نہ کہوں۔ (تہذیب التہذیب: ۶/۶۰۶)

حاصل کلام یہ کہ جو کچھ گزرا اس سے معلوم ہوا کہ اس سند کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے اس میں ایک راوی مجہول

ہے اور وہ اس حدیث میں متفرد ہے اور دوسرا راوی مختلف فیہ ہے دارقطنی نے اس کو ثقہ کہا اور ابن حبان نے اس کی روایت کو صحیح کہا اور اس کو ثقہ کہا ہے اور اس راوی سے اصحاب السنن امام نسائی ابو داؤد اور ترمذی نے روایت لی ہے اور حافظ (ابن حجر) نے اس کے بارے فرمایا کہ یہ! لین الحدیث ہے اور ذہبی نے کہا۔ اس کی توثیق کی گئی ہے۔

پس حیب بات ایسی ہی ہے تو یہ سند صرف فضالہ بن سعید بن زمیل الماری کے سبب ضعیف ہوگی۔ تو اس کا کسی دوسری روایت کے ساتھ قوت حاصل کرنا ممکن ہے بلکہ ممکن ہے کہ یہ محدثین کی جماعت کی رائے کے مطابق حسن کے مشابہ ہو۔

یہ تنہا روایت فیصلہ دے رہی ہے کہ ان کی بات احادیث زیارت تمام کی تمام ضعیف بلکہ موضوع ہیں لغو و فضول ہے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ مذکورہ روایت کے لئے اس مسئلہ زیارت میں قوی و مضبوط ترین دیگر نظائر بھی موجود ہیں (ہم اللہ تعالیٰ سے غصیب اور رضا میں انصاف پر قائم کرنے کی التجا کرتے ہیں۔

تفسیری حدیث

من زارنی بالمدینة	جس نے ثواب کی نیت سے
محتسباً كنت له شفيحاً	مدینہ میں میری زیارت کی قیامت
وشهيدا يوم القيامة	کے دن میں اس کا شفیق اور گواہ
	ہوں گا۔

اس کو امام بیہقی نے (شعب الایمان: ۳/۴۱۸)

حمزہ بن یوسف السہمی نے (تاریخ جرجان: ۴۱۸)

امام تقی الدین السبکی نے (شفاء السقام: ۳۵)

ابن ابی الدنیا نے (کتاب القبور) میں ذکر کیا ہے۔

تمام نے اسے "محمد بن اسماعیل بن ابی فدیل عن سلیمان بن یزید الکعبی ابی

المثنیٰ عن انس بن مالک کی سند سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جس نے برائے ثواب مدینہ میں میری زیارت کی میں قیامت کے دن اس

کی شفاعت کروں گا اور گواہ ہوں گا۔ میں کہتا ہوں کہ محمد بن اسماعیل بن ابی فدیل

ثقفہ ہے اور اس سے محدثین کی ایک جماعت نے روایت لی ہے۔ لیکن ابوالمثنیٰ

سلیمان بن یزید الکعبی کے بارے میں ابوحاتم نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے اور

قوی نہیں ہے دارقطنی نے اس کی تصنیف کی اور ابن حبان نے المعجمین میں کہا۔

یہ روایات میں ثقات کی مخالفت کرتا ہے اس سے احتجاج درست

نہیں اور سوائے اعتبار کے طور پر اس سے روایت لینا جائز نہیں ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کو (کتاب الثقات: ۶/۳۹۵) میں ذکر کیا اور

امام ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے۔ تو یہ چیز تقاضہ کرتی ہے کہ یہ امام

ترمذی کے نزدیک صدوق الحدیث ہے، کیونکہ حافظ ابن حجر نے (تعجیل

المنفعة: ۱۵۳) میں فرمایا۔

امام ترمذی کا قول: "حسن غریب" تقاضہ کرتا ہے کہ راوی اس کے

زادیک، صدوق معروف ہے، الخ

امام حاکم نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے (۴/۲۲۱-۲۲۲) تو یہ راوی

امام حاکم کے نزدیک ثقہ ہوگا۔

اگر امام ترمذی کی تحسین حاکم کی تصحیح اور ابن حبان کی توثیق پیش نظر نہ بھی رکھی جائے۔ تو بھی اس راوی میں ضعف، خفیف درجہ کا ہوگا جو کہ متابعت یا شاہد کے آنے سے ختم ہو جائے گا یہی وجہ ہے حافظ بن حجر نے (التقریب: ۶۷) میں فقط اس کی تضعیف پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اور ذہبی نے (الکاشف: ۳/۳۳۱) میں کیا خوب کہا اس کی توثیق کی گئی ہے۔“

اور ابو حاتم نے کہا۔ یہ قوی نہیں ہے۔ اب اس سند میں ایک علت باقی رہ گئی ہے اور وہ سلیمان بن یزید اور سلیمان کے درمیان انقطاع ہے۔ کیونکہ سلیمان بن یزید تابعین میں سے ہے۔

حضرت انس کے حوالے سے اس حدیث کی دوسری سند

امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی مستند میں کہا۔
 اخبارنا علیسی بن یونس
 ثنا ثور بن یزید حدثنی
 شیخ عن انس عن النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم
 ہم کو خبر دی علیسی بن یونس نے
 ان سے حدیث بیان کی ثور بن یزید
 نے اس سے شیخ نے اس سے حضرت
 انسؓ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(المدادی: ۶/۲۳۲) سے راوی مدالحم)....

میں کہتا ہوں کہ۔ علیسی بن یونس (ابن ابی اسحاق السبعی) ثقہ ہے۔
 اور ثور بن یزید۔ ثقہ اور ثبت ہے۔

اور اگر اس میں شیخ مبہم (جس کا نام نہیں لیا گیا) نہ ہوتا تو یہ سند اعلیٰ درجہ

کی صحیح ہوتی۔ لیکن اس حدیث کو پچھلی حدیث کے ساتھ ملایا جائے تو اس حدیث کی قوت میں فائدہ ہوگا۔ اور اگر قائل ہے کہ اگر اس کو حسن کے مشابہہ قرار دیا جائے تو صحیح ہے۔ اور آئمہ فقہانے کتنی ہی اس سے کم تر یا اسی طرح کی احادیث سے احکام میں احتجاج کیا ہے!

بکہ یہ اکیلی ہی زیارت کی مشروعیت کو ثابت کرتی ہے اور ابن عبدالمادی نے حضرت انس سے اس کا دوسرا طرق بیان ہی نہیں کیا۔ گویا کہ وہ اس سے واقف ہی نہیں ہوا اسی لئے اس کا کلام صرف پہلی سہ کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور اگر ابن عبدالمادی اس پر واقف ہوتا تو ضرور ضرور مبہم راوی پر برستا جیسا کہ اس کا طریقہ ہے۔ کیونکہ وہ تو کہتا ہے اس مسئلہ زیارت میں کوئی حدیث صحیح ہے ہی نہیں۔

چوتھی حدیث

جو شخص مدینہ شریف میری زیارت	من أتى المدينة زائراً
کے لیے آیا قیامت کے دن اس	أُتي وجبت له شفاعتي
پر میری شفاعت واجب ہوگی	يوم القيامة، ومن مات
اور جو دونوں حرموں میں سے کسی	في أحد الحرمين بعث
ایک میں فوت ہوا وہ قیامت میں کی	أمناً،
حالت میں اٹھایا جائے گا۔	

اس کو یحییٰ بن الحسن بن جعفر نے، اخبار المدینہ، میں روایت کیا۔ جیسا کہ (شفاء

السقام : ۴۰) میں ہے۔ سند یہ ہے۔

شام محمد بن یعقوب، بسند مذکور حضرت بکر بن عبد اللہ

تے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جو شخص مدینہ شریف میری زیارت کیلئے آیا قیامت کے دن اس پر میری شفاعت واجب ہوگی اور حد حرمین شریفین میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہوا قیامت میں امن کی حالت میں اٹھایا جائے گا۔!

ثنا عبد اللہ بن وہب عن رجل عن بکر ابن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من أتى المدينة زائراً لى وجبت له شفاعتى يوم القيامة ومن مات فى احد الحرمين بعث آمناً

محمد بن یعقوب وہ ابو عمرو الاسدی الذہیری المدنی ہے اس کے بارے ابو حاتم اور امام نسائی نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ابن حبان نے اس کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور کہا۔ مستقیم الحدیث ہے (التہذیب: ۹/۵۳۳)

حافظ نے فرمایا: صدوق ہے (التقریب ص ۵۱۴) اور عبد اللہ بن وہب۔ ثقہ حافظ اور فقیہ ہے۔

اور ابوبکر بن عبد اللہ میرے خیال میں وہ المزنی البصری ہے اور وہ جلیل القدر۔ ثقہ ثبت تابعی جیسا کہ (التقریب ص ۱۲۷) میں ہے اور اگر یہ وہی ہے تو حدیث مرسل ہوگی اور اگر مبہم راوی نہ ہو تو یہ صحیح الاسناد ہے اور سید سمہودی نے (وقاء الوقا: ۲/۱۳۲۸) میں کہا کہ احتمال ہے کہ یہ بکر بن عبد اللہ المزنی المذكور ہو یا وہ بکر بن عبد اللہ بن الربیع الانصاری الصحابی ہے جس کا ترجمہ (الاصابہ: ۱/۱۶۴) میں ہے!

اور (الصارم المنکی: ۳۲۳) میں بکیر (بالتصغیر) بن عبد اللہ واقع ہے جو

کہ ناسخ (کاتب) کی غلطی ہے۔ اور اگر غلطی نہیں تو پھر یہ بعید ہے کیونکہ عبد اللہ بن وہب اپنی جامع میں یکیر بن عبد اللہ الشرح المدنی ثم المصری جو کہ تبع تابعی ہے سے ایک واسطہ کے ساتھ روایت کرتا ہے۔ اور راجح وہی ہے جو کہ پیچھے بیان ہوا کہ یہ بکر بن عبد اللہ المزنی ہے۔ (واللہ اعلم)

اور ان تینوں احتمالات کے ہوتے ہوئے یہ حدیث صرف ضعیف الاسناد

ہوگی۔

اور ابن عبد الہادی نے (الصارم : ۲۴۳) میں تمام قواعد حدیث کو توڑتے ہوئے کہا یہ حدیث باطل ہے اور اس کی اصل نہیں یہ معضل روایت ہے ایسی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا یہ مراسیل میں سے ضعیف تراور سب سے کمزور منقطع ہے!

میں کہتا ہوں کہ یہ شخص حد سے بڑھ گیا اور تشدد اور طعن تشنیع پر اتر آیا، پس اس حدیث میں سوائے مبہم راوی کے اور کوئی علت نہیں حالانکہ ابن عبد الہادی کے امام، امام احمد بن حنبل وغیرہ جو کہ آئمہ فقہ و حدیث میں سے ہیں وہ مرسل کے ساتھ احتجاج کرتے اور اس کو قبول کرتے ہیں۔

ابن عبد الہادی نے اپنی بات پر کوئی دلیل پیش نہیں کی کیونکہ قواعد حدیث اس کی موافقت ہی نہیں کرتے۔ اور البانی کا وہ قول سوائے تعصب کے کچھ نہیں جو اس نے شیخ محمد سعید رمضان البوطی کے رد میں کیا ہے (ص ۱۰۹) کہ

یہ حدیث باطل ہے جیسا کہ ابن عبد الہادی نے کہا ہے۔

ایسی تقلید مذموم ہوا کرتی ہے، اس پر اعتراض کیوں نہیں کیا جاتا

یا تقلید کرنے والے پر فتویٰ کیوں نہیں عائد ہوتا۔ اور تتبع کرنے والا پائگا کہ ایسی حدیث پر محدثین اس سے زیادہ حکم نہیں لگاتے کہ یہ مرسل ضعیف

الاسناد ہے اور اس کی مثل روایت دوسری روایت کی متابعت سے پاجاتی ہے۔ (نَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالَى السَّلَامَةَ وَالْعَوْنَ)

پانچویں حدیث

مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي	جن نے میرے وصال کے بعد میری
فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي	زیارت کی گویا کہ اس نے میری
وَمَنْ مَاتَ بِأَحَدِ الْحَرَامِينَ	ظاہرہ حیاتی میں میری زیارت کی اور
بُعِثَ مِنَ الْأَمْنِيِّنَ يَوْمَ	جو حرمین شریفین میں سے کسی جرم میں
الْقِيَامَةِ	فوت ہوا قیامت کے دن اسکو آمنین
	میں سے اٹھایا جائیگا۔

امام دارقطنی نے (سنن : ۲/۲۷۸) میں اس سند سے یہ حدیث بیان کی۔

حد ثنا ابو عبید و القاضی ابو عبید اللہ و ابن مغلدا قالوا
 أنا محمد بن الولید البسوی، تاو کیع، نا خالد بن ابي
 خالد و ابو عون عن الشعبي و الاسود بن ميهون
 عن هارون ابي قزعة عن من آل حاطب عن حاطب
 قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم - (المحدث)

اس کو اس سند سے بہیتی نے (شعب الایمان ۳/۴۸۸)
 اور حمالی اور الساجی نے روایت کیا جیسا کہ میزان میں ہے !
 اور امام ابن عبدالبر نے استذکار میں معلق کے طور پر بیان کیا ہے۔
 امام بخاری نے اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہوئے کہا !

میمون بن سوار العیدی عن ہارون ابی قرظہ
 دجل من ولد حاطب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم (من مات فی احد الحرمین)

اللہ کی مدد سے عرض کرتا ہوں

خالد بن ابی خالد وہ خالد بن طہان ہے وہ امام شعبی کے طبقہ سے روایت
 کرتا ہے اور وہ بھی ان کی طرح کوئی ہے ! اور اس سے وکیع روایت کرتا ہے
 اور وہ خالد بن ابی خلدہ نہیں جیسا کہ ابن عبدہادی نے (الصائم المتکلی ص ۱۵۱)
 میں دعویٰ کیا ہے !

خالد بن طہان صدوق ہے اور مختلط ہو گیا تھا لیکن اس کا تابع ابن
 عون ہے اور اس کو ابو عون بھی کیا جاتا ہے۔ ہاں ہاں وہ عبد اللہ بن عون
 البصری ہے اور اس کی کنیت ابو عون ہے اور وہ ثقہ ! اور ثبت ہے۔ پس
 یہ سند عامر بن شراہیل الشعبی تک صحیح ہے بلکہ ہارون بن ابی قرظہ تک
 صحیح ہے کیونکہ شعبی ایسے عاقل ثقہ ہے جن کے بارے میں سوال نہیں کیا جاتا
 ابن عبدہادی نے بہت ہی عجیب و غریب بات کی بلکہ بہت تشدد سے

کام لیتے ہوئے کہا!

اور جو اس سند میں وکیع عن خالد بن ابی خالد اور ابو عون عن الشعبي یا شعبی کے واسطہ کے بغیر سند میں زیادہ تو یہ ہنکر اور غیر محفوظ ہے پس اس سند میں شعبی کا ادخال صحیح نہیں ہے۔ پھر کہا..... اور حاصل کلام یہ کہ اس سند میں اس اندھی زیارت کا ذکر اس کی صحت میں اضافہ نہیں کرتا بلکہ اس کے ضعف اور اضطراب میں اضافہ کرے گا (الصائم المنکی ۱۵۱) میں کہتا ہوں کہ یہ اضافہ ثقات سے مسلسل طور پر ثابت ہے جیسا کہ گزرا اس کو وکیع بن الجرح اور خالد بن طہمان نے ذکر کیا ہے اور اس کا متابع عبد اللہ بن عون البصری ہے پھر عامر الشعبي ثقات میں سے ہے پس ان کے حال کی طرف نظر نہیں کرنی چاہیے سوائے ابن طہمان کے اور وہ صدوق ہے اور اس کا متابع بھی ہے (نسأل الله تعالى الانصاف فی الرضا والغضب)

جب یہ بات واضح ہو گئی تو اب اس سند کا انحصار ہارون بن ابی قزعة اور اس کے مبہم شیخ پر ہے! رہا ہارون بن ابی قزعة تو اس کے بارے کہا گیا ہے ہارون ابو قزعة یا ابن قزعة اور یہ نقصان وہ نہیں ہے۔ حافظ نے (الذکات علی ابن الصلاح: ۲/۳۷۳) میں کہا۔

اور راویوں میں کسی راوی کے نام میں اختلاف اس میں موثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر وہ ثقہ ہے تو یہ اختلاف اس کو نقصان نہیں دیگا۔ اور اگر وہ غیر ثقہ ہے تو اس کی حدیث اس کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہوگی نہ کہ اس سبب سے کہ اس کے نام میں ثقات کا اختلاف ہے! (فتاویٰ ذلک) پس یہاں راوی ہارون بن ابی قزعة کو یعقوب بن شیبہ نے ضعیف کہا اور عقیل ساجی

لہ امام سبکی نے (شفاء السقام ص ۳۳) میں امام شعبی کے واسطہ کو ہی ترجیح دی ہے اور یہی صحیح ہے

اور ابن الجارود نے اس کو منعفاء میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ابن حبان نے اسکو (الثقات ۵۸۰/۷) میں ذکر کیا۔

اور اس سے عامر الشعبي نے روایت کی پس ہارون بن ابی قزعه اس کے نزدیک ثقہ ہے!

یحییٰ بن معین نے شعبی کے بارے کہا۔ جب وہ کسی سے نام لے کر روایت کریں تو وہ ثقہ ہوگا اور اس سے احتجاج کیا جائے گا۔

(التہذیب : ۶۷/۵)

پس امام شعبی کا ہارون سے روایت کرنا اس کی توثیق پر دل ہے جیسا کہ ابن معین نے کہا کیونکہ امام حماد نے اس کا نام لیا ہے۔ لیکن یہ توثیق صراحت کے مقابلہ میں کم تر ہے۔ پس یہ روایت ضعیف اور اجمالی توثیق ہوگی۔ پس ابن حبان کی توثیق اور شعبی کی روایت ہارون بن ابی قزعه کی ثقاہت کے لیے کافی ہے پس وہ شخص ان روایوں میں سے ہے کہ جن کی حدیث کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کی حدیث شواہد کے لیے پیش کی جاسکتی ہے! پس اب اس سند میں ایک ہی علت باقی رہ جاتی ہے کہ ہارون بن ابی قزعه کا شیخ مبہم ہے پس حدیث میں ضعف اتنا شدید نہیں ہے بلکہ معمولی ضعف ہے اور فقہا کرام اس کی مثل احادیث سے کسی بھی معاملہ کی مشروعیت کے اثبات پر احتجاج کرتے ہیں اور اس کے علاوہ کتب فقہ ہمارے اس قول کی تصدیق کرتی ہیں۔ کیوں نہ ہو۔ حالانکہ زیارت کی احادیث کے بعض طرق شرط حسن پر ہیں۔ اب اس کے بعد ان (منکرین) کا قول کہ احادیث زیارت ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ کو دیکھو تو اسے دیوار پر دے مارو کیونکہ یہ اصول حدیث کے مخالفت قول ہے!

تین ائمہ حدیث کا صحت حدیث پر اتفاق

حافظ ذہبی نے فرمایا۔

احادیث زیارۃ میں سے سب سے زیادہ سند کے لحاظ سے پختہ حدیث حدیثِ حاطب ہے۔

اور امام سخاوی نے (المقاصد الحسنیۃ ۴۱۳) میں اور امام سیوطی نے (الدر المنتشرہ : ۱۴۳) میں اس کو قائم و مقرر رکھا۔ پس یہ تین حفاظ حدیث مخالف کے غلط قول کے خلاف متفق ہیں۔

ابن تیمیہ کا رد

یہ تمبیہ باقی رہ گئی ہے کہ ابن تیمیہ نے اس حدیث کو سراپا جھوٹ ہونے (موضوع) کا حکم لگایا ہے!

اس نے اپنی کتاب (التوسل والوسیلۃ ، ۷۳) میں کہا۔

یہ واضح جھوٹ ہے اور مسلمانوں کے دین کے خلاف ہے۔ پس جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایمان کی حالت میں زیارت کی پس وہ آپ کے صحابہ ہیں بالخصوص اگر وہ مہاجرین میں سے ہیں اور پھر آپ کے ساتھ کافروں سے جہاد بھی کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کو برائے کہو مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ میرے صحابی کی ایک مٹھ جو خرچ کرنے کے برابر نہیں پہنچ سکتا (اس کو بخاری و مسلم میں روایت کیا گیا ہے)

صحابہ کے بعد کوئی ایک شخص بھی ان کے مثل نہیں ہو سکتا مامور اعمال میں جیسا کہ حج، جہاد، پانچوں نمازیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے میں تو ایسے عمل کے ذریعے ان کے برابر کیسے پہنچ سکتا ہے جو بالاتفاق واجب نہیں ہے۔

اور لبانی نے اس کی تقلید کرتے ہوئے اس حدیث پر سلطان کا حکم لگایا ہے حالانکہ دونوں غلطی پر ہیں اس اشکال کا جواب آسان ہے۔

۱۔ یہ صرف ایک تشبیہ ہے اور تشبیہ میں دونوں طرف مساوات ضروری نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات ایک دوسرے سے افضل ہوتا ہے پس یہ فاضل کا افضل کے ساتھ الحاق کے باب سے ہے جیسے کہ کہا جائے الرملی کا تشافی درملی، شافعی کی طرح ہے) ابو یوسف ابو حنیفہ کی طرح اور زید چاند کی طرح اور مدرسہ جامع ازہر کی طرح ہے۔

۲۔ دونوں طرف تشبیہ کا جمع ہونے کا سبب حیات ہے۔ پس جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی زیارت کی وہ اسی طرح ہے جس طرح آپ کی حیات میں زیارۃ کی یہ باعتبار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف قبر کے اندر ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر منورہ میں زندہ ہیں۔

اور حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر پر تو متواتر احادیث مروی ہیں۔ اور ان کو کچھ محدثین نے علیحدہ اکٹھا کر دیا ہے۔ ان میں سے امام بیہقی اور امام سیوطی ہیں اور حافظ احمد بن الصدیق الغاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا خلاصہ کیا ہے۔

جسے (الردالمحکم المتین علی کتاب القول المبین) کے خاتمہ میں نقل کر دیا گیا

ہے جو کہ ہمارے شیخ علامہ محقق سیدی عبداللہ الصدیق رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

ابن تیمیہ نے جو اتفاق نقل کیا ہے یہ محل نظر ہے۔ کیونکہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت علمائے اسلام کی اکثریت کے نزدیک واجب ہے اور یہ قول ظاہریہ (غیر مقلدین) کا ہے اور اسی پر مالکیہ کی کثرت ہے اور احناف کا بھی یہی قول ہے۔

پھٹی حدیث

جس نے میری قبر کی زیارت کی	(مَنْ زَارَ قَبْرِي أَوْ قَالَ
یا فرمایا جس نے میری زیارت	مَنْ زَارَنِي كُنْتُ لَهُ!
کی میں اس کا شفیع یا گواہ ہونگا یا	شَفِيْعًا أَوْ شَهِيدًا أَوْ مَنْ
جو دونوں حرمین میں سے کسی ایک	مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ
حرم میں فوت ہو اللہ تعالیٰ اس کو	بَعَثَهُ اللَّهُ مِنَ الْأَمْنَيْنِ
قیامت کے دن امن والوں میں سے	يَوْمَ الْقِيَامَةِ)
اٹھائے گا۔	

اس کو ابو داؤد طیالسی نے (منعۃ المعبود: ۱/۲۲۸) میں

(السنن البکری: ۵/۲۲۵)

بیہقی نے

(شعب الایمان: ۳/۵۸۸) میں اس سند سے روایت کیا

حدیثنا سوار بن میمون ابوالجراح العبیدی، قال: حدثنی

رجل من آل عمر عن عمر قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم قال ---

اور امام بیہقی نے (شعب الایمان: ۳/۴۸۹) میں اس سند سے بیان

فرمایا۔

شعبہ ابن الحجاج عن سوار بن میمون، ناہارون

بن قزعة عن رجل من آل الخطاب عن النبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال !

عقیلی نے کہا۔

یہ روایت کمزور ہے۔ (۱۴۰/۴)

حدیث شعبہ اور ابوداؤد طیاسی میں اختلاف ہے اور ان کا اختلاف

دو باتوں کی طرف لوٹتا ہے۔

۱۔ شعبہ نے فرمایا عن سوار بن میمون عن ہارون بن قزعة مگر ابوداؤد

نے ہارون بن قزعة کا ذکر نہیں کیا۔

۲۔ اختلاف اسے مرفوع بیان کرنے والے میں ہے

اور یہ اختلاف شعبہ اور ابوداؤد طیاسی کی وجہ سے نہیں کیونکہ یہ دونوں

ثقات اور حفاظ حدیث میں سے ہیں خصوصاً امام شعبہ پس ان میں سے ایک

کا وہم شمار کرنا جیسا کہ ابن عبدالمادی نے بیان کیا ہے محل نظر ہے۔

پس ابن عبدالمادی نے دو جہتوں سے ابوداؤد کا وہم شمار کیا

۱۔ ہارون بن قزعة کا اسقاط

۲۔ عمر کا ذکر کرنا

جیسا کہ ابن عبدالمادی نے (العیارم المنکی: ۱۳۲) میں کہا

یہ ابن عبدالمادی سے بہت ہی عجیب ہے۔ کیونکہ ابوداؤد طیاسی حافظ

اور ثقہ امام مصنف ہے وہ وہی حدیث بیان کرتا ہے جس کو وہ محفوظ رکھتا ہے) لہذا یہ وہم اس کی طرف سے نہیں ہو سکتا اور صحیح یہ ہے کہ یہ وہم سوار بن میمون کی طرف سے ہے کیونکہ اس کا تذکرہ کتب رجال میں نہیں ملتا پس یہ مناسب نہیں کہ سوار بن میمون کو چھوڑ کر وہم کی نسبت کی طرف کی جائے۔ یہ سوار بن میمون ہے یا میمون بن سوار جیسا کہ بعض غیر معروف روایات میں وارد ہوا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے یہ حدیث ضعیف الاسناد ہے۔

ساتویں حدیث

من حج فزار قبری بعد
موتی کان کمن نارنی
فی حیاتی
جس نے حج کیا اور میرے وصال
کے بعد میری قبر کی زیارت کی
وہ ایسے ہی ہے گویا کہ اس نے
میری ظاہرہ حیات میں میری
زیارت کی۔

اس کو طبرانی نے (المعجم الکبیر، ۱۲/۱۲۰۶)

امام دارقطنی نے (السنن، ۱/۲۷۸)

بیہقی نے (السنن الکبریٰ، ۵/۲۲۶)

ابن عدی (الکامل، ۲/۷۹۰)

الاصبہانی (الترغیب والترہیب، ۱/۲۲۷)

الفاکھی (اخبار مکہ : ۱/۲۳۷) ۵۔

ذہبی نے اس کو امام بخاری کی طرف منسوب کیا کہ امام بخاری نے اس کو
صحفاء میں تعلیقاً بیان کیا۔ لیکن امام بخاری کی مطبوعہ کتاب میں میں نے نہیں
پایا۔ (المیزان : ۱/۵۵۹)

اور یہ (المطالب العالیہ : ۱/۳۷۲) میں ہے اور اس کو امام ابو یعلیٰ
کی طرف منسوب کیا گیا۔ ان تمام نے اس سند سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

حفص بن سلیمان الاسدی القاری عن لیث بن
ابی سلیم عن مجاہد بن جابر عن ابن عمر مرفوعاً
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

اس سند میں دو راوی ضعیف ہیں پہلا دوسرے سے زیادہ ضعیف
ہے۔

پہلا۔ حفص بن سلیمان الکوئی القاری۔

اس کو محدثین کی ایک جماعت نے ضعیف کہا۔ بعض نے کہا متروک
ہے۔ اور بعض نے اس کے بارے میں مبالغہ سے کام لیتے ہوئے کذب
کی طرف منسوب کیا ہے اور اس مبالغے کا امام تقی الدین سبکی نے جواب

لہ اکمال اس حدیث کو امام ابو سعید المفضل بن محمد بن ابراہیم الجندی سنہ ۵۸۰ھ نے
(فضائل المدینہ ۳۹) میں مذکورہ سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے (مترجم غفرلہ)

دیا ہے اور میرے نزدیک یہ اسراف اور زیادتی ہے! کیونکہ یہ آدمی قرآن کا امام ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث کے وضع کرنے اور جھوٹ بولنے پر اقدام کرے۔ حالانکہ لوگ اس سے قرأت حاصل کرنے میں متفق ہیں! زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ محدثین میں سے نہیں ہے! اس لیے اس کی روایات میں منکرات اور کثرت سے غلط چیزیں واقع ہو گئی ہیں۔ (شفاء السقام : ص ۲۵)

ان کے شاگرد ذہبی نے اس کے شیخ، عاصم بن ابی النجود القاری کے ترجمہ میں کہا۔

ہر دور میں ہوتا ہے کوئی شخص ہو سکتا ہے کہ وہ ہر فن کا امام ہو اور کئی فنون میں کمزور ہو جیسا کہ اس کا شاگرد حفص بن سلیمان کہ قرأت میں ثابت ہے لیکن حدیث میں کمزور ہے۔ یا جیسے امام اعظم کہ حدیث میں ثابت وثقف ہے اور عروف میں کمزور ہے۔

(سیر اعلام النبلاء : ۲۶۰/۵)

سبکی اور ذہبی کے کلام سے وہ مشکل حل گئی جو کہ بعض کی طرف سے حفص بن سلیمان کے حال میں واقع ہوئی تھی۔

اور دوسرا راوی۔ لیث بن ابی سلیم ہے وہ فی نفسه صدوق ہے لیکن محتلط ہے اور حدیث میں تمیز نہیں کر سکتا۔ پس اس کی مثل اگرچہ ضعیف ہو مگر متابعات و شواہد میں پیش کرنے کے قابل ہوتا ہے! پس لیث بن ابی سلیم سے اس میں حفص بن سلیمان منقرض بھی نہیں بلکہ اس کے دو متابعات موجود ہیں۔

۱۔ جس کو امام طبرانی نے (المعجم الکبیر : ۴۰۶/۱۲) اور (المعجم اللادسط : ۱/۲۰)

میں بیان کرتے ہوئے کہا۔

حدثنا احمد بن رشد بن، قال : حدثنا علي بن الحسن
بن هارون الانصاري، قال : حدثني الليث ابن ابنة الليث
بن ابي سليم قال : حدثني عائشة ابنة يونس امرأة الليث
عن ليث بن ابي سليم عن مجاهد عن ابن عمر به مرفوعاً
اليسه هي - الكبير : میں واقع ہے۔

اور المعجم الاوسط الطبراني کے مطبوعہ نسخہ میں لیث بن ابي سليم کو ذکر
نہیں کیا گیا۔

اور صحیح وہی ہے جو کہ، الكبير میں واقع ہے۔ اور امام طبرانی نے اوسط
میں علی بن الحسن بن ہارون الانصاری کے اس میں تفرد کی طرف اشارہ فرمایا
ہے۔

امام ہیثمی نے (مجمع الزوائد : ۲۱۴) میں فرمایا کہ اس میں عائشہ بنت
سعد ہے میں نے اس کا ترجمہ نہیں پایا۔

میں کہتا ہوں : بات ایسے ہی ہے اور اس کی مثل علی بن الحسن بن
ہارون الانصاری واللیث ابن ابنة الليث بن ابي سليم کا ترجمہ بھی نہیں
پایا جاتا۔

اور طبرانی کا شیخ احمد بن رشد بن اس میں کلام مشہور ہے پس یہ
سخت ضعیف ہے۔

۲۔ اس کو ابو بکر محمد بن السری بن عثمان التمار نے اپنے جڑ میں روایت
کرتے ہوئے فرمایا۔

ثنا نصر بن شعيب مولى العبدین، ثنا ابي و ثنا جعفر بن سليمان

الضبعی عن لیث عن ابن عمر مرفوعاً بیان کرتے ہیں جیسا کہ
شفاء السقام ۱ ص ۲۷

ابوبکر محمد بن السری بن عثمان التمار کے سبب سے یہ سند ضعیف ہے
اس کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں۔

یہ مننا کبیر اور بلایا روایت کرتا ہے۔ لیس لیشی ہے۔ اور امام حافظ ابن
حجر نے ذہبی کے اس کلام کو قائم رکھا (اللسان : ۱۷۴/۵)
اور اس میں ایک اور راوی ضعیف ہے اور وہ نصر بن شعیب ہے۔
ذہبی نے اس کے بارے (میزان : ۲۵۱/۲) میں فرمایا۔

نصر بن شعیب اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور وہ جعفر بن سلیمان
سے ضعیف ہے۔

ابن عساکر نے فرمایا۔

یہ وہم ہے کیونکہ وہ جعفر بن سلیمان ابو عمر الاسدی الفاضری القاری ہے
(شفاء السقام : ۲۷) بہر حال یہ حدیث ضعیف ہے !

آنکھوں کی حدیث

مَنْ حَجَّ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ	جس شخص نے حج فرض ادا کیا
و زَارَ قَبْرِي وَ غَزَا عَزْوَةَ	اور میری قبر کی زیارت کی اور
و صَلَّى فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ	جہاد کیا اور بیت المقدس میں
يَسْأَلَهُ اللَّهُ عَمَّا اقْتَرَفَ	نماز پڑھی اللہ تعالیٰ اس سے
عَلَيْهِ	دوسرے فراموشی کے بارے میں

سوال نہ کرے گا۔

اسے امام ابو الفتح الأزوی نے فوائد میں اس سند سے ذکر کیا۔

ثنا النعمان بن ہارون بن ابی الدلہات، ثنا ابوسہل بدر بن عبد اللہ المصیصی، ثنا الحسن بن عثمان الزیادی، ثنا عماد بن محمد حدثنی خالی سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن عبد اللہ ابن مسعود مرفوعاً بہ۔

ایسے ہی شفاء السقام ص ۳۴ میں ہے لیکن اس میں ابن عمر ہے حالانکہ صحیح ابن مسعود ہے جیسا کہ ۱۔ (اللسان: ۲/۴) اور (القول البدیع: ۱۳۵) و (تنزیہ الشریعة: ۱۴۵/۲) میں ہے۔

ابو الفتح صاحب الجزء مشہور حافظ حدیث ہے کچھ لوگوں نے اس کی تضعیف کی ہے۔ اور بعض نے اس کی روایت کے سبب مبالغہ سے کام لیتے ہوئے اس کو متہم کیا ہے۔ خطیب بغدادی نے۔ (تاریخ: ۲/۲۴۴) میں کہا۔

میں نے محمد بن جعفر ابن علان سے ازوی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ان کے حفظ کا ذکر کیا انہیں معرفت حدیث میں ماہر قرار دیا اور خوب تعریف کی۔

مجھ سے بیان کیا عبد الغفار بن عبد الواحد الرموی نے اس نے کہا کہ میں نے اہل موصل کو دیکھا وہ ابو الفتح الأزوی کو بہت زیادہ کمزور گردانتے اور اسے کچھ بھی شمار نہ کرتے۔

امد کہا۔ مجھ سے بیان کیا محمد بن صدقہ الموصلی نے کہ ابو الفتح بغداد کے امیر (یعنی ابن تویہ) کے پاس گیا اور اس کے لیے یہ حدیث گھڑی۔

ان جبرائیل کان یُنزل حضرت جبرائیل، نبی اکرم صلی اللہ
 علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم پر تیری صورت میں
 فی صورتہ نازل ہوتے تھے۔

تو اس نے اس کی عزت کی اور اس کو کثیر دراہم عطا کئے۔ ابن کثیر
 نے (البدایۃ ۱۱۱ / ۳۰۳) میں کہا۔ بہت سارے حفاظ حدیث نے اسے
 ضعیف کہا۔

انکے اپنے زمانے کے بہت سارے حفاظ حدیث نے اس کو
 ضعیف کہا اور بعض نے اس کو وضع حدیث کے ساتھ متہم کیا ہے۔
 اس نے ابن ابویہ کے لیے حدیث گھڑی اور اسے باسند رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم تک پہنچایا کہ جبرائیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس امیر کی شکل میں
 نازل ہوتے تھے اس امیر نے اس کو پسند کیا اور اس کو بہت ساری رقم
 دی (انتہی) اور اس سند میں ابوسہل بد بن عبد اللہ المعبئی ہے اس کے بارے
 حافظ ذہبی نے کہا۔

اس نے حسن بن عثمان الزیادی سے باطل خبر روایت کی اور اس

سے النعمان بن ہارون نے (المیزان ۱ / ۳۰۰)

حافظ ابن حجر نے اس کے ترجمہ میں (اللسان : ۲ / ۴) میں کہا۔

اس مذکورہ حدیث کو حافظ ابو الفتح الازدی نے اپنے فوائد کے اٹھویں

باب میں ذکر کیا۔ (پھر حافظ نے اس کی پوری سند ذکر کی)

اس روایت کو علامہ سیوطی نے؛ (ذیل الآلی) میں وارد کیا اور انہی کا اتباع

کرتے ہوئے ابن عراق نے (التزویۃ الشریعۃ ۲ / ۱۴۵) میں ذکر کیا۔

حافظ سخاوی نے (القول البدیع ۱۳۵) میں کہا اس کے ثبوت میں نظر ہے۔

توضیح یہ ہے کہ اس حدیث کو الازدی۔ پر محمول کیا جائے نہ کہ المصیصی پر
 امام سبکی نے المصیصی کے بارے میں (شفاد السقام : ۲۲ - ۳۵) میں کہا
 میں اس کے حال کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔
 تو کیا یہ سند مصیصی تک صحیح ہے کہ اس پر تہمت لگائی جائے۔
 حاصل کلام یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں اور بعض نے اس پر وضع کا حکم
 لگایا ہے اور اس کے متن میں نکارت ہے!

نویں حدیث

مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي جس نے بیت اللہ کا حج کیا مگر میری
 فَقَدْ جَفَانِي : زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ
 بے وقائی کی -

اس کی تخریج ان محدثین نے کی ہے
 ابن عدی نے (الکامل : ۲۴۷/۷)
 ابن حبان (المجروحین : ۷۳/۳)
 دارقطنی (غرائب مالک جیسا کہ شفاء السقام : ۲۸ میں ہے -
 اور سہمی نے (تاریخ جبرجان : ۲۱۷) میں کہا اور تمام نے اس کی یہ سند
 بیان کی -

محمد بن محمد بن النعمان بن شبل قال : حدثني جدي قال : حدثنا مالك
 عن نافع عن ابن عمر به مر فوعًا.....
 ابن جوزی نے : (الموضوعات : ۲۱۷/۲۰) میں اس پر موضوع ہونے
 کا حکم لگایا۔

اور حفاظ کی ایک جماعت نے ابن جوزی کے ساتھ موافقت کی اور اس کے حکم کو برقرار رکھا۔ پس محمد بن محمد بن النعمان بن شبل پر دارقطنی نے طعن کیا اور اس کو متہم کیا۔ (المیزان: ۲۶/۴)

اور اس کے دادا۔ نعمان بن شبل کو موسیٰ بن ہارون نے کہا: وہ متہم تھا

(الکامل: ۲۴۸۰/۴)

اور ابن حبان نے (المجرد جن ۳/۴۳) میں کہا۔

یہ ثقافت سے مصیبتیں اور اثبات سے مغلوب روایتیں بیان کرتا ہے!

اور اگر کہا جائے کہ ابن عدی نے (الکامل: ۲۴۸۰/۴) میں کہا۔

شنا صالح بن احمد بن ابی مقاتل، ثنا عمران بن موسیٰ الحدادی ثنا النعمان بن

شبل اور وہ ثقہ تھا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ توثیق یا تو صالح بن احمد یا عمران بن موسیٰ

الحدادی کی ہے اور اگر ان دونوں سے پہلے کی توثیق سمجھی جائے تو وہ اس کا

اہل نہیں ہے اور اگر ان دونوں میں سے دوسرا مراد لیا جائے تو اس سے

روایت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ صالح بن احمد بن ابی مقاتل یہ قیراطی البزار کے

نام سے معروف ہے۔ اس میں شدید ضعف ہے حتیٰ کہ دارقطنی نے کہا یہ

متروک۔ کذاب اور دجال ہے! اور ابن عدی نے کہا کہ یہ حدیث کا چور

ہے ہر حال اس حدیث کا مدار بجائے اس کے دادا نعمان بن شبل

کے محمد بن محمد بن النعمان پر کرنا بہتر ہے دارقطنی نے اس کی صراحت

کی ہے اور اس سے ابن جوزی نے (الموضوعات: ۲۱۴/۲) میں نقل کرتے

ہوئے کہا ہے۔

اس حدیث میں طعن محمد بن محمد بن النعمان کی وجہ سے ہے۔ اور

نعمان سے ابن عدی راضی ہے (الکامل : ۷/۲۴۸۰) اس روایت کی سند بہت ساقط ہے شاید محمد بن النعمان نے یہ حدیث اپنے دادا سے چرائی اور اس کی اچھی نقیص سی سند بنائی۔ عن مالک عن قافع عن ابن عمر پس اس سند کے ساتھ اس کا اخراج کیا۔ ابوالحسن یحییٰ بن الحسن بن جعفر نے: اخبار المدینہ میں جیسا کہ (شقاء السقام : ۳۹) میں نعمان بن شبل ثنا محمد بن الفضل عن جابر عن محمد بن علی عن علی رضی اللہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من نزار قبری بعد	جس نے میرے وصال کے
موتی فکانما زارنی	بعد میری قبر کی زیارت کی گویا
فی حیاتی ومن لم	کہ اس نے میری ظاہرہ حیاتی
یزرنی فقد جفانی	میں زیارت کی اور جس نے میری
	زیارت نہ کی اس نے مجھ پر
	زیادتی کی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تائف ہے اور نعمان بن شبل پر کلام گزر چکا ہے اور محمد بن الفضل بن عطیہ العبسی الکونی بہت سارے نقاد حدیث نے اس پر کذب کی تہمت لگائی اور جابر بن یزید الجعفی تو اس کا ضعیف معروف ہے۔

دسویں حدیث

من نزار قبری حلت لہ جس نے میرے روحہ اقدس

شفاعتی -
کی زیارت کی اس کے لیے میری
شفاعت حلال ہو گئی۔

اس کو بزار نے اپنی (مسند (کشف الاستار: ۵۷/۲) میں اس سند کے
ساتھ بیان کیا۔

حدثنا قتیبۃ، ثنا عبد اللہ بن ابراہیم ثنا عبد الرحمن
بن زید عن ابيہ عن ابن عمر عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم۔

بزار نے کہا۔ عبد اللہ بن ابراہیم کا اس حدیث پر متابعت کوئی
نہیں لیکن اس کے متفرد ہونے کے باوجود اس کی روایت لکھی جائے
گی۔ اور امام ہشیمی نے (مجمع الزوائد: ۲/۲) میں کہا!
اس کو بزار نے روایت کیا اور اس میں عبد اللہ بن ابراہیم
العقاری ہے جو ضعیف ہے!

میں کہتا ہوں کہ عبد اللہ بن ابراہیم العقاری سخت ضعیف ہے
اس کے بارے میں حافظ نے (التقریب: ۲۹۵) میں بیان کیا۔
متروک ہے اور ابن حبان نے اس کو وضع کی طرف منسوب کیا ہے
اور اس کا شیخ عبد الرحمن بن زید بن اسلم بھی ضعیف ہے
ابن عدی اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہے جیسے
گزارا حاصل کلام یہ کہ۔ یہ حدیث اس سند کے ساتھ سخت ضعیف ہے۔

گیارہویں حدیث

مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي جس نے میرے وصال کے بعد
فَكَأَنَّهَا زَارَنِي وَأَنَا میری قبر کی زیارت کی گویا کہ
حَيًّا اس نے میری زیارت کی کہ میں

ظاہرہ حیاتی کے ساتھ زندہ ہوں۔

امام تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ اس کو ابو الفتوح سعید بن محمد بن اسمعیل البیعقوبی نے اپنے ایسے جڑ میں اس کو نقل کیا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض شمائل اور آثار اور فضائل زیارت اور زائر کے فضائل بیان کیے۔ شفاء السقام (۳۴-۳۵) بیعقوبی نے اس کو اس سند سے بیان فرمایا۔

خالد بن یزید ثنا عبد الله بن عمر العمري قال
سمعت سعيد المقبري يقول: سمعت أبا هريرة
رضي الله عنه يقول: - مرفوعاً -

اس سند میں خالد بن یزید ابو الہشیم العمري الملکی ہے ابو حاتم اور کئی بن معین نے اس کو کذاب کہا اور عقیلی وابن عدی اور ابن حبان وغیرہم نے اس کو سخت ضعیف کہا۔

بارہویں حدیث

مَنْ زَارَنِي مَيِّتًا فَكَانَتْ مَاءً
 زَارَنِي حَيًّا، وَمَنْ زَارَ
 قَبْرِي، وَجَبَتْ لَهُ
 شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 وَمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أُمَّتِي
 لَهُ سِعَةٌ ثُمَّ لَمْ
 يُزِرْنِي فَلَيْسَ لَهُ عِذْمٌ
 جس میرے بعد از وصال میری زیارت
 کی گویا کہ اس نے میری ظاہرہ زندگی
 میں میری زیارت کی اور جس نے
 میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے
 قیامت کے دن میری شفاعت
 واجب ہوگی۔ اور جو امتی استغاثت
 ہونے کے باوجود میری زیارت نہ
 کرے اس کیلئے کوئی عذر نہیں۔

اس کو ابن البخاری نے (الدرة الثمينة: في مناقب المدينة: ص ۱۲۴) میں اس
 سند کے ساتھ روایت کیا۔

محمد بن مقاتل عن جعفر بن مارون عن سمعان بن المهدی عن انس
 مرفوعاً بہ۔

حافظ ذہبی نے (میزان الاعتدال: ۲/۲۳۴) کیا یہ سمعان سے
 مروی ہے! یہ ایک مکذوبہ نسخہ میں ہے میں نے اس کو دیکھا اللہ
 اس کے وضع کرنے والے کو برباد کرے۔

حافظ ابن حجر نے (اللسان: ۳/۱۱۴) میں سمعان مذکور کے ترجمہ
 میں کہا۔

یہ محمد بن مقاتل الرازی اور وہ جعفر بن مارون الواسطی اور وہ سمعان
 سے۔ روایت کرتا ہے اور اس نسخہ کا ذکر کیا اور اس نسخہ کا متن تین سو

احادیث پر مشتمل ہے جو موضوع ہیں۔ اس سند میں محمد بن مقاتل الرازی ہے
اس کے بارے میں امام ذہبی (میزان الاعتدال: ۴/۴۷۱) میں فرماتے ہیں۔
اس میں کلام ہے مگر متروک نہیں۔

اور جعفر بن ہارون الواسطی کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں
یہ موضوع خیر لاتا ہے۔

اور سیمان بن محمد عن انس کا نسخہ مشہور موضوع نسخوں میں سے ہے

تیسری حدیث

دَحْرًا لِّلّٰهِ مَنُ زَارَنِيْ
اور اللہ اس پر رحم فرمائے جو میری
زیارت کرے اور اپنی ناقہ کی جہار

اپنے ہاتھ میں پکڑے

یہ حدیث عوام نے وضع کی ہے اس کی کوئی سند نہیں اور حافظ
ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور ان کے شاگرد حافظ
سخاوی نے "المقاصد الحسنہ" میں اس فیصلہ کو برقرار رکھا ہے!

چودھویں حدیث

مَنُ زَارَنِيْ وَ ذَارَ الْجِيْ اِبْرٰهِيْمَ
جس نے میری اور میرے باپ
حضرت ابراہیم کی ایک ہی سال
میں زیارت کی تو وہ جنت میں داخل

ہوگا۔

یہ حدیث موضوع ہے اس کی کوئی سند نہیں۔ اس کی صراحت

امام نووی نے (المجموع : ۸ / ۲۰۹) اور ابن تیمیہ نے (اقتضاء الصراط المستقیم
۲۰۲) میں کی ہے۔

اس کا بطلان زرکشی سیوطی اور ابن عراق و دیگر محدثین نے کیا ہے۔

پندریں حدیث

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي حَسْبُ لِي مِنْ حَجٍّ بِمِثْرِي قَبْرِي قَرِيبٌ
سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَابِئًا بَلِغْتُهُ
اور جس نے دو سے پڑھا مجھے
جس نے مجھ پر میری قبر کے قریب

پہنچایا جاتا ہے!

اس کو ابوالشیخ الاصبہانی نے کتاب الثواب میں روایت کیا جیسا کہ (اللہی

المضوعۃ / ۲۸۳) میں ہے۔

حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاعرج، حدثنا
الحسن بن الصباح حدثنا ابو معاوية عن الاعمش
عن ابي الصالح عن ابي هريرة به مرفوعاً۔

حافظ سخاوی نے (القول البدیع : ۱۵۴) میں کہا۔

اس کی سند جمید ہے جیسا کہ ہمارے شیخ ابن حجر نے افادہ فرمایا

انتہی۔ اور حافظ یہ حکم لگانے میں حق پر ہیں۔

اس حدیث کی سند کے رجال سوائے ابوالشیخ کے استاذ کے۔ اور

وہ عبدالرحمن بن احمد بن ابی یحییٰ الذہری ابو صالح الاعرج المتوفی ۳۰۰ھ

ہے اور اس کا تذکرہ ابوالشیخ اصبہانی نے (طبقات المحدثین باصبہان ۵۴۱/۳) اور ابو نعیم نے (خبار اصبہان ۱۱۳/۲) میں کہا اور اس پر حیرح اور تعدیل کا کوئی کلمہ ذکر نہیں کیا۔

اور اس سے ایک جماعت محدثین نے روایت لی ہے جن میں سے

حافظ ابوالشیخ ابن حبان الاصبہانی بھی ہے۔

زیادہ سے زیادہ اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مستور ہے لہذا یہ

ابن حبان کی شرط پر ہے لیکن میں نے ان کا تذکرہ انکی کتاب اشقات میں نہیں پایا۔

اور اس طرح کے راوی کی روایت جمہور محدثین قبول کرتے ہیں جب

تک کہ اس کے مخالف کوئی نہ ہو جیسا کہ امام ذہبی نے مالک بن النخیر الزیاری کے ترجمہ میں اس بات کی صراحت کی ہے۔ انہوں نے زیاد بن مالک

کے ترجمہ میں فرمایا۔

شیخ مستور ما وثق وضعف یہ شیخ مستور ہے نہ اس کی توثیق

فہو جائز الحدیث کی گئی ہے اور نہ ہی تضعیف

(المیزان ۹۳/۲) لہذا یہ جائز الحدیث ہے۔

اور ربیع بن زیاد الہمدانی کے ترجمہ میں فرمایا۔

ما راہیت لا حد فیہ میں نے کسی ایک کو بھی اس

تضعیفاً فہو جائز الحدیث کی تضعیف کرتے نہیں دیکھا لہذا

(المیزان ۴۰/۲) یہ جائز الحدیث ہے

اور ربیع بن زیاد الہمدانی کے ترجمہ میں فرمایا۔

ما راہیت لا حد فیہ تضعیفاً میں نے کسی ایک کو بھی اس

فہو جائز الحدیث تضعیف کرتے نہیں دیکھا لہذا

(المیزان ۲/۴۰) یہ جائز الحدیث ہے۔

اور امام زرکشی نے وسعت سے کام لیتے ہوئے (المعتبر فی تخریج احادیث المنہاج والمختصر: ۶۹) میں اس قسم کے راوی میں کہا: راوی کی جہالت اس میں قدح کا سبب نہیں بنتی جب کہ اس سے روایت کرنے والا ثقہ ہو پس ثقہ کی اس سے روایت، اس کی تعدیل شمار ہوگی۔ حاصل کلام یہ کہ ایسی قسم کی حدیث توجب تک اس کے مخالف کوئی روایت نہ پائی جائے اور نہ ہی اس کا متن منکر ہو تو وہ روایت مقبول ہوگی اور یہاں نہ تو اس کی مخالف روایت پائی گئی اور نہ ہی اسل کے متن میں نکارت ہے پس یہ حدیث اس سند کے ساتھ مقبول ہے۔

شیخ حافظ احمد بن الصدیق العماری نے (المداوی لعلل المنادی: ۶/۲۴۱) میں فرمایا کہ اس کی سند تطیف ہے اور ابن تیمیہ نے (الرد علی الاختائی: ۱۳۴) میں صراحت کی کہ یہ صحیح المعنی ہے۔ لیکن اس کی سند میں کلام کیا اور اس حدیث کی اعمش سے ایک اور سند ہے۔

اس کو عقیلی (الضعفاء ۴/۱۳۴)

بیہقی نے (حیاء الانبیاء: ۱۵۰)

بیہقی (شعب الایمان: ۲/۲۱۸)

خطیب نے (تاریخ بغدادی: ۳/۲۹۱-۲۹۲)

(اس کے مخالف صحیح روایت موجود ہے جس کو طبرانی نے المعجم الکبیر میں سند صحیح

کے ساتھ نقل کیا ہے تفصیل العقیدہ الصیحہ فی شرح حیاء الانبیاء میں ملاحظہ فرمائیں۔)

ابن جوزی نے (الموضوعات ۱۰ / ۳۰۳) وغیرہم نے روایت کیا۔
یہ اس طریق میں محمد بن مرداں السدی عن الاعمش عن ابی صالح عن

ابی ہریرہ مرفوعاً ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سند میں محمد بن مروان السدی متروک الحدیث

اور کذاب ہے۔

امام عقیلی نے (لضعفاء) میں کہا۔ کہ اس حدیث کی اعمش سے کوئی اصل

نہیں اور نہ یہ محفوظ ہے اور نہ ہی اس کی کوئی متابعت ہے مگر وہ اس

سے بھی گئی گزری ہے۔

ابن کثیر نے (تفسیر القرآن ۶ / ۲۶۶) میں کہا

اس کی سند میں نظر ہے اس میں محمد بن مروان السدی الصغیر

متفرد ہے اور متروک ہے۔

ابن کثیر نے جو یہ کہا تو یہ صرف اس سند کے بارے میں کہا ہے

پس ابن جوزی اور ان کے متعجبین اس کو موضوع کہا ہے تو وہ بھی

صرف اسی سند کے بارے میں کہا ہے پس وہ سند جس کو امام ابوالشیخ

نے (کتاب الثواب) میں روایت کیا وہ جید الاسناد ہے جیسا کہ حافظ

ابن حجر نے صراحت کی ہے۔

اور ابن تیمیہ کا اس بارے میں قول مختلف ہے اس نے (فتاویٰ

۲۷ / ۳۲۱) میں اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا لیکن ایک اپنے

رسالہ جو کہ زیارت کے متعلق ہے (صفحہ ۱) میں کہا کہ اس کی سند کمزور

ہے۔

اور (الرد علی الاختانی ۱۳۴) میں کہا۔

اگرچہ اس کا معنی صحیح ہے اس کی سند ایسی ہے کہ جس سے احتجاج درست نہیں ہے۔ اور تو خبر دار رہے کہ اس پر وضع کا حکم صرف اس سند پر ہے جس میں السدی الصغیر ہے اور تعجب در تعجب ابن عبد الہادی پر ہے کہ وہ تشدد کی حدیں توڑ گیا ہے۔ اس نے (الصارم) میں کہا کہ اس روایت کو بعض نے ابو معاویہ عن الاعمش کے طریق سے روایت کیا ہے اور یہ خطا فاحش ہے کیونکہ اس میں محمد بن مروان السدی متفرد ہے اور وہ ممتروک الحدیث ہے اور متہم بالکذب ہے اور تعجب کی وجہ یہ ہے کہ ابن عبد الہادی نے محمد بن مروان کی روایت کو محفوظ سمجھا وہ جیسی بھی ہے وہ ابوالشیخ کی سند پر واقف ہوا یا کہ نہیں! وہ کوئی ایسی بات نہیں لایا کہ جس سے اس کا دعویٰ قائم رہ سکے اور نہ ہی وہ اس دعویٰ کی بنیاد مضبوط رکھ سکا۔

اور محمد بن مروان السدی اس میں متفرد بھی نہیں ہے جیسا کہ عقیلی کا کلام اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور جیسا کہ ابوالشیخ الاصبہانی کی روایت سے معلوم ہوا ہے لیکن ابن عبد الہادی اپنے شیخ ابن تیمیہ کی مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔

حاصل کلام یہ کہ اس حدیث کی سند جتید ہے۔ اور جس نے اس پر وضع کا حکم لگایا تو یہ ابوالشیخ کی روایت پر واقف نہ ہونے کی بنا پر لگایا ہے۔

سولہویں حدیث

مَا مِنْ أَحَدٍ يَسْلِمُ عَلَيَّ كَوْنِي بَعِي مَسْلَمَانِ جِيبٍ مَجْهُورٍ رُودٍ وَسَلَامٍ

رَوَّاهُ اللَّهُ عَلَى رُوحِي حَتَّى
أَرَدَّ عَلَيْهِ
پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری رُوح
کو میری طرف لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ
میں اسکے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

تخریج حدیث:

۵۲۷/۲	امام احمد	مسند
۲۹۳/۲	ابوداؤد	سنن
۲۴۵/۵	امام بیہقی	سنن الکبریٰ
'	'	حیاء الانبیاء
۲۱۷/۲	'	شعب الایمان
۳۹۳/۲	امام ابو نعیم	اخبار اصبحان

(سند حدیث)

عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید بن عبد اللہ ابن قسیط عن ابی ہریرۃ
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال :-

ابو صخر حمید بن زیاد کے بارے امام احمد و ابن معین فرماتے ہیں۔
کہ اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں امام دارقطنی و ابن حبان نے اس کی
توثیق بیان کی۔
امام یعقوبی فرماتے ہیں۔

اس حدیث کی مزید تحقیق کے لیے: العقیدہ الصحیحہ ملاحظہ فرمائیں۔ مترجم۔

مدنی صالح الحدیث : مدنی ہے اور صالح الحدیث ہے۔

ابن عدی نے فرمایا۔

وہو عندی صالح الحدیث میرے نزدیک یہ صالح الحدیث ہے
ابن معین نے ایک روایت میں اس کی تضعیف بیان کی جیسا کہ امام نسائی
نے اسکو ضعیف کہا۔

ابن شاپین نے اس کو ثقہ کہا

امام ذہبی نے اس کو، من تكلّم فیہ وهو موثق (۳) (۳) کہ
جن میں کلام کیا گیا ہے حالانکہ وہ ثقہ ہیں) میں بیان کیا پھر اس کی توثیق
ایسے علمائے کرام سے بیان کی کہ جن کی توثیق کے قبول کرنے پر ائمہ
متفق ہیں اور اس کے مقتضی پر عمل کرتے ہیں۔ اس سے امام مسلم نے
اپنی صحیح میں روایت لی ہے!

کم از کم یہ راوی حسن الحدیث ہے۔ لہذا ابن عبدالمادی کے شرکی
طرف التقات ہی نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ تو راوی کے نام اور
کنیت میں اختلاف کو بھی راوی کی حدیث کو رد کرنے کا سبب بتلا
دیتا ہے۔ اور اگر راوی کے اسم اور کنیت میں اختلاف راوی کے ضعف
کا سبب ماتا جائے تو روات کی تضعیف کا ایک نیا باب کھل جائے گا۔

پس یہاں عقل مندوں کو یہی کہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ حدیث اور
علوم حدیث پر رحمت فرمائے۔ کتنے ہی راوی ہیں کہ ان کے نام اور
کنیت میں اختلاف ہے مگر وہ ثقہ ہیں اور کتنے راوی ہیں جن کے
نام اور کنیت میں اتفاق ہے مگر وہ ضعیف ہیں اور یزید بن عبداسد بن
قسیط سے تو محدثین کی ایک پوری جماعت نے احتجاج کیا ہے اور امام

نسائی، ابن حبان اور ابن عبدالبر نے اس کو ثقہ کہا ہے اور امام بن معین نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں پس یہ حدیث حسن الاسناد ہے۔

سترھویں حدیث

عن محمد بن اسحاق عن سعید بن ابی سعید المقبری عن
عطاء مولیٰ ام حبیبۃ قال : سمعت ابا ہریرۃ یقول : قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : لیہیطن عیسیٰ بن مریم
حکماء علاءاً واماماً مقطاً ، ویسئلون فجا حاجاً او معتمراً
او عدینتہما ولیاً تین قبری حتی یسلم علی ولادون علیہ
(مستدرت امام حاکم : ۵۹۵/۲)

امام حاکم نے فرمایا :- یہ حدیث صحیح الاسناد اور اس سیاق کے
ساتھ اس کو امام بخاری و مسلم نے اس کو اپنی کتابوں میں نہیں لیا اور ذہبی
نے اس کو قائم رکھا۔ اس حدیث کی اور وجہ (مسند) بھی ہے اور اس وجہ
کو امام ابو ذر عہ رازی نے (العلل حدیث نمبر ۲۷۷) میں ترجیح دی اور
یہاں محمد بن اسحاق کے سماع کی عدم تصریح نقصان دہ نہیں ہے۔

اٹھارویں حدیث

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد : المسجد الحرام
والمسجد الاقصیٰ ، مسجدی ہذا

نہ کجاوے کسو سوائے تین مساجد کے مسجد حرام - مسجد اقصیٰ اور میری یہ

مسجد
یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے متعدد طریق ہیں۔ اس کو روایت کرنے والے صحابہ کرام :-

حضرت ابوسعید الخدری . حضرت ابوہریرہ . حضرت جابر بن عبد اللہ

حضرت عبد اللہ بن عمر . حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاص . حضرت علی بن ابی طالب

حضرت ابوالجعد الغمیری . حضرت مقدم بن سعدی کرب . حضرت ابوامامہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم

حضرت ابوسعید الخدری سے روایت

امام بخاری ۶۳/۳ (مسلم ۹۷۶/۲) ترمذی: ۱۲۸/۲، اور کہا حسن صحیح ہے

ابن ماجہ ۱/۲۵۲ - احمد ۳/۳۲۲، ۴۵، ۵۱ - ابویعلیٰ ۲/۳۳۸، حمیدی ۲/۳۳۰

ابن ابی شیبہ ۲/۲۷۲ ابن حبان ۳/۷۱ - مشکل الآثار ۱/۲۲۱ - بیہقی السنن الكبرى

۱۰/۸۲ - ابوالشیخ فی طبقات المحدثین باجمہان ۲/۲۲۱ ابو نعیم فی ذکر اخبار اصحابان

۱/۸۵ - الطبرانی فی المعجم الاوسط ۳/۱۰۳ - خطیب فی تاریخ بغدادی ۱۱/۱۹۵ الواسطی

فی فضائل بیت المقدس ۶ - والبعوی شرح السنۃ ۲/۳۳۶ - وغیر ہم نے عن

قرعۃ بن یحییٰ عن ابی سعید الخدری بہ مرفوعاً -

امام بخاری وغیرہ کے الفاظ یہ ہیں !

لا تسافر المرأة مسیرة یومین کوئی عورت سوائے اپنے غاوت یا محرم

الا ومعها زوجھا او ذومہم کے دو دن کا سفر نہ کرے اور دو روز

ولا صوم فی یومین : کے یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے

الفطر والاضحیٰ، ولا روزے نہ رکھے اور حج کے بعد سوچ ہونے

صلوة بعد الصبح حتى يطلع الشمس

ولا بعد العصر حتى تغرب

ولا تشد الرحال

الا الى ثلاثة مساجد

مسجد الحرام ومسجد

الأقصى ومسجدى

تک اور عصر کے بعد سورج غروب

ہونے تک نماز نہ پڑھے اور تین مساجد

مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس

مسجد کے سوا کسی طرف کجاوے نہ

کے۔

هذا :

اس حدیث حضرت ابو سعید الخدری کا دوسرا طریق بھی ہے جس کو

امام احمد نے مستدرک (۳/۵۳) اور ابن الجوزی نے فضائل القدس ۱۹۶

میں مجالد بن سعید عن ابی الوداع عن ابی سعید الخدری سے مرفوعاً بیان

کیا ہے !

اور تیسرا طریق جس کو امام طبرانی نے (المعجم الاوسط ۲/۲۱۷) میں

عطیہ العونی عن ابی سعید الخدری سے روایت کیا۔

اور چوتھا طریق اس کو امام عبد بن حمید نے (المنتخب من المستدرک رقم

۹۲۹ ص ۱۸۰) اور تمام نے اپنے فوائد (الروض السام ۱/۳۰۰) میں

ابو یارون عمارہ بن جوین العبیدی نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت

کیا۔

عمارہ بن جوین شدید ضعیف ہے حافظ ابن حجر نے اس کے بارے

التقریب میں کہا۔ متروک۔

اور ان میں سے بعض طرق کو امام ابو یعلیٰ۔ الموصلی نے (مسند ابی یعلیٰ

۳۷۲/۲) میں بیان فرمایا۔

اور پانچویں طریق اس کو امام احمد نے (مسند: ۳/۷۱) میں عکرمہ
مولیٰ زیاد عن ابی سعید الخدری سے مرفوعاً بیان کیا۔

اور چھٹا طریق اس کو احمد نے روایت کیا (مسند: ۳/۶۲، ۹۳) میں اور ابو یعلیٰ
نے اپنی (مسند: ۲/۴۸۹) میں اس سند کے ساتھ لیث و عبد الحمید بن
بھرام عن شہر بن حوشب نے کہا، میں اور دیگر آدمی عمرہ پر گئے پس ہم
ابو سعید الخدری کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ
ہے؟ میں نے کہا۔ طور کا آپ نے فرمایا۔ طور کیا ہے؟ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا آپ نے فرمایا۔ کوئی مسافر کسی مسجد کی طرف
اللہ کا ذکر کرنے کے لیے سامان سفر نہ باندھے سوائے تین مساجد کے
مسجد حرام و مسجد اقصیٰ اور مسجد مدینہ (الحديث) اس میں شہر بن حوشب
نے یہ زیارت نقل کی۔ کسی مسجد میں ذکر کرنے کے لیے اور اس میں
نماز پڑھنے کے لیے۔

اس زیادۃ کے قبول و رد میں فقہاء و محدثین میں کافی کلام ہے
جن محدثین نے قبول کیا ہے ان میں سے حافظ ابن حجر نے (الفتح: ۳/۶۵)
میں کہا۔

اور اس چیز کے موید وہ روایت ہے جس کو امام احمد نے شہر بن
حوشب سے روایت کیا کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری سے سنا
اور میں نے ان کے پاس مسجد طور میں نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو آپ
نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا ینبغی للمصلی ان یشد
کیسی نمازی کے لیے یہ مناسب
دھالہ الی مسجد تبغی
نہیں کہ وہ سامان سفر باندھے
فیہ الصلاة غیر مسجد
تاکہ اس میں نماز پڑھے سوائے

الحرام والمسجد الاقصى ۱۶۸ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور

ومسجدی - اور میری مسجد کے -

اور شہر بن حوشب، حسن الحدیث ہے اگرچہ اس میں کچھ ضعف ہے پس یہ قول اس فن کے شیخ کا ہے جس کا علم بے مثال ہے پس اسے آنکھوں والے اس میں غور و فکر کر کہ اس نے شہر بن حوشب کی حدیث پر اور حدیث کی شرح کی مراد پر کیسے اعتماد کیا ہے!

ان الفاظ کے ساتھ شہر بن حوشب کا منفراد ہوتا ان کو ساقط اور رد نہیں کیا جائے گا۔ پس یہ شخص حسن الحدیث ہے جیسا کہ حافظ نے بیان فرمایا اور کئی حفاظ حدیث نے اس کی روایت کو قبول کیا ہے!

حافظ ابن صلاح نے صیانة صحیح مسلم کے ص ۱۲۲ پر اسی طرف میلان کا اظہار کیا ہے حافظ ذہبی نے سیر النبلاء (۳۷۸/۲) میں کہا اس کے ساتھ احتجاج کو ترجیح ہے، ذہبی نے "الجزء فی من قلم فیہ وهو موثق صحت میں بھی ان پر ترجیح نہیں کی اگر زیادہ شدت بھی اختیار کی جائے جن الفاظ کے ساتھ شہر بن حوشب متفرد ہیں تو یہ کبار علماء تابعین میں سے کسی سے حدیث کی تفسیر اور روایت بالمعنی ہے۔

اہم نوٹ:-

البانی نے شہر بن حوشب کے ان متفرد الفاظ کو بالکل ساقط قرار دیتے ہوئے (ارواد ۳/۲۳۰) میں کہا، حوشب کے الفاظ "الی مسجد" حدیث میں ایسا اضافہ ہے جس کی ابوسعید اور دیگر راویوں سے مروی حدیث میں کوئی اصل نہیں یہ اضافہ منکر بلکہ باطل ہے اور اس کا سبب یا تو شہر ہے وہ صاحب سو حفظ ہے یا عبد الحمید ابن بہرام ہے کیونکہ اس میں کلام ہے میرے نزدیک یہی مختار ہے، اسے حدیث نے شہر سے اس اضافہ کے بغیر روایت

کیا ہے۔

میں کہتا ہوں البانی کا کلام محل نظر ہے۔

۱۔ شہر کے تفرد یا اضافة کو یہ کہنا اس کی اصل نہیں دہست نہیں اور اس پر بطلان کا اطلاق کرنا اور اس کا سبب شہر کو قرار دینا یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ شہر نے امام مالک، شعبہ، سفیان وغیرہ کی کبھی مخالفت نہیں کی اور جس میں کی اسکے ہاں وہ قطعی ہے پھر آدمی کی حدیث سے یا تو احتجاج کیا جاتا ہے یا تا سیدہ حاصل کی جاتی ہے تو اسے کبھی بھی افت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

علاوہ ازیں شہر کے اس تفرد کو تمام فقہاء و محدثین نے قبول کیا ہے۔

۲۔ ہاں عبد الحمید بن بہرام میں کلام ہے لیکن اس کا شہر بن حوشب سے حدیث بیان کرنا مقبول ہے جیسا کہ اس پر متعدد حفاظ حدیث نے تصریح کی ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں شہر سے اس کی احادیث بمقارب ہیں، امام ابن ابی حاتم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ عبد الحمید، شہر کے حوالے سے اسی طرح ہے جیسے لیث، سعید لہری سے ہے میں نے کہا آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ فرمایا ان کی شہر سے صحاح احادیث میں کوئی عرج نہیں، شہر سے مروی احادیث سے احسن میرے علم میں نہیں، شیخ احمد بن صالح لہری کہتے ہیں عبد الحمید بن بہرام ثقہ ہیں مجھے ان کی وہ احادیث پسند ہیں جو صحاح شہر سے ہیں۔

مذکورہ گفتگو کی بنا پر عاقل ناقد کے لیے ایسی حدیث کو ضعیف قرار دینا درست نہیں جو شہر بن حوشب سے عبد الحمید بن بہرام نے روایت کی، جو ایسا کرے گا اس کا سبب قلب مطالعہ محض تعصب ہوگا۔

۳۔ البانی کا کہنا اسے لیث نے شہر سے یقیناً بغیر اضافة کے روایت کیا۔

میں کہتا ہوں مذکورہ اضافة لیث نے شہر بن حوشب سے مسند ابولیلی۔

د (۲۸۹/۲) میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، تو البانی کو یقین کے بجائے احتمال کہتا چاہیے تھا، اہل علم و سمجھ کے لئے اس قدر گفتگو ہی کافی ہے۔

حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی تخریج :-

بخاری (الفتح ۲/۶۳) مسلم (۲/۱۰۱۳)

عبدالرزاق ۵/۱۳۲ مسند جمہدی ۲/۲۲۱

مسند امام احمد ۲/۲۳۲، ۲۳۸، ۲۳۹، ۵۰- سنن الدارمی ۱/۲۷۲

ابوداؤد ۲/۵۲۸ نسائی ۲/۳۷

ابن ماجہ ۱/۴۵۲ مسند ابو یعلیٰ ۹/۲۸۳

السنن الکبریٰ بیہقی ۵/۲۲۲ خطیب فی تاریخ بغداد ۹/۲۲۲

الشرح السنۃ للبیہقی ۲/۳۳۷

ان تمام نے متعدد طرق سے اس کو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی۔

اور طبرانی نے (المعجم الاوسط ۲/۱۱۱) میں حضرت ابو ہریرہ سے ایک

منکر حدیث خثیم بن مروان عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ساان سفرۃ باندها جائے مگر

تین مساجد کیلئے مسجد خیف و

مسجد حرام و میری یہ مسجد۔

لا تشد الرحال الا لثلاث

ثلاثة مساجد مسجد

الخیف و مسجد الحرام

و مسجدی هذا۔

امام طبرانی نے فرمایا: مسجد خیف کا ذکر سوائے اس حدیث کے کسی اور حدیث میں نہیں آیا۔

میں کہتا ہوں۔ اس میں ضعف و القطار ہے!

امام بخاری نے (التاریخ الکبیر ۳/۲۱۰) کہا
مسجد خیف کا کوئی متابع نہیں ہے اور خیشم کا ابوہریرہ سے سماع معروف
نہیں ہے۔

خیشم بن مروان کا ذکر ابن الجارود نے ضعفاً میں کیا ہے عقیل نے
کہا۔ اس حدیث پر اس کا متابع کوئی نہیں ہے اور یہ اس حدیث کے
بغیر نہیں پہچانا گیا۔ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔
حاصل کلام یہ کہ یہ الفاظ مسجد الخیف۔ منکر ہیں اور ان کے ساتھ خیشم متفرّد
اور وہ ضعیف ہے اور اس نے ابوہریرہ سے نہیں سنا۔

حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی تخریج کی۔

سند امام احمد: ۳/۳۵۰

السنن الکبریٰ للنسائی (تحفة الاحوزی: ۲/۳۲۱) عبد بن حمید (المنتخب

ص ۱۹۷ رقم ۱۹۷)

سند ابی یعلیٰ: ۲/۱۸۲-۱۸۳ صحیح ابن حبان: ۲/۶۹۵

المعجم الاوسط للطبرانی ۲/۲۱۵ المحضری تاریخ علماء مصر، ۱۰

قاسم بن قطلوبغا (عوالی الیث ۳۵)

ان تمام نے اس سند سے اس کو روایت کی۔

عن الليث بن سعد عن ابي الذبير عن جابر بن عبد الله مرفوعاً -

امام طبرانی "المعجم الاوسط" میں کہا اس حدیث کو لیث سے علاء بن موسیٰ کے سوا کسی اور نے روایت نہیں کی -

امام طبرانی کے اس - قول - میں نظر ہے -

کیونکہ سند میں علاء بن موسیٰ کی متابعت کی یونس بن محمد المؤدب اور قلیبہ بن سعید نے اس کی متابعت السنن الکبریٰ میں کی اور عیسیٰ بن یونس نے صحیح ابن حبان میں اور احمد بن یونس نے "المنتخب من مسند عبد بن حمید میں اور المحضری نے تاریخ مصر اور کامل المجہدی نے مسند ابی لعلی میں متابعت کی -

پس اس کی سند صحیح ہے چاہے علاء بن موسیٰ اس میں متفرد ہو یا اس کے متابع ہوں -

اور لیث بن سعد بھی ابوالذبیور سے متفرد نہیں ہے -

میرے علم کے مطابق اس کے دو متابع ہیں -

پہلی متابعت ابن لہیعہ - اس متابعت کو امام احمد نے (مسند ۳/۴۲۶)

میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا -

ثنا حسن، ثنا ابی لہیعہ - ثنا ابوالذبیور عن جابر قال:

قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: خير

ما ركبت اليه الراو حل مسجد ابراهيم عليه السلام

ومسجدي

سب سے بہتر کہ سوار کے لیے کجاوے کسے وہ مسجد ابراہیم علیہ السلام اور

میری مسجد ہے!

حسن وہ ابن موسیٰ، الاشیب ہے یہ ثقہ ہے اور محدثین کی جماعت نے اس سے احتجاج کیا ہے!

اور عبد اللہ بن لہیعۃ مدلس ہے اور کتابیں جل جانے کے بعد اس کو اختلاط ہو گیا تھا اور اس نے سماع کی صراحت کی ہے! دوسری متابعت اس متابعت کو امام بزار نے (کشف الاستار من زوائد البزار: ۲/۲۰۴) اور امام طحاوی نے (مشکل الآثار: ۱/۲۴۱) دونوں نے۔

عبدالعزیز بن عبد اللہ الاوسی المدنی عن عبدالرحمن بن ابی الزناد عن موسیٰ بن عقبہ عن ابی الذبیر عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: خیر ما رکبت الیہ الرواحل مسجد ابراہیم علیہ السلام و مسجد محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بہتر کہ جس کی طرف سوار کجاوے کسے وہ مسجد ابراہیم اور مسجد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

یہ سند صحیح ہے۔

عبدالرحمن بن ابی الزناد اس میں صرف غیر مدنیین سے روایت میں کلام کیا گیا ہے۔ اور اس سے راوی مدنی ثقہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

اس کو ابن حبان نے (الثقات ۸/۲۵۹) اور طبرانی نے (مسند الشامیین) (حدیث نمبر ۱۵۳۸) اور عقیلی نے (القفاۃ! ۳/۲۵۹) اور ضیاء المقدسی نے (فضائل بیت المقدس حدیث نمبر ۵) ان تمام نے متعدد طریقوں سے

عن علی بن یونس الباعثی العابد عن هشام بن الفاذ،
 عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 قال: لا تشد المطایا الا الی ثلاثة مساجد مسجدا
 الحرام ومسجدا هذا والمسجدا الاقصی -
 مسافر سامان نہ باندھیں مگر تین مساجد کے لیے مسجد حرام اور یہ
 مسجد اور مسجد اقصی -

علی بن یونس الباعثی اس کو امام عقیل نے (التحقیق: ۳/۲۵۶) ذکر
 کرتے ہوئے کہا۔

لا یتابع علی حدیث - اس کے حدیث پر کوئی متابع نہیں ہے،

ابن ابی حاتم نے اس بارے میں سکوت کیا اور ابن حبان نے اسکو ثقہ
 کہا اس سے ایک جماعت نے روایت لی ہے۔

اس کا ایک طریق ہے جو ان الفاظ سے ہے۔

لا تشد الرحال الا الی

ثلاثة مساجد: مسجد

الحرام، مسجد المدینة

ومسجد بیت المقدس -

نہ سامان سفر باندھا جائے مگر

تین مساجد کی طرف - مسجد حرام -

مسجد مدینہ! اور مسجد اقصی -

آپیں طبرانی کا شیخ احمد بن محمد بن رشد بن اس میں کلام مشہور اور بعض

نے مبالغہ کیا اور اسے کذاب کہا ہے! لیکن یہ حدیث حضرت عبداللہ بن

عمر سے موقوف بھی آتی ہے اور اس کی سند مرفوع کے دونوں طریقوں

سے نظیف ہے! اس کو امام بخاری نے (التاریخ الکبیر: ۲/۲۰۴) اور

عبدالرزاق نے (المصنف: ۵/۱۳۵) ابن ابی شیبہ (مصنف: ۲/۳۷۳)
عمر بن شیبہ نے اخبار المدینہ (کمانی الصارم المنکی ص ۳۴۲)

سقیان بن عیینہ عن عمرو بن قزعة سے روایت ہے کہ
طلق بن حبیب عن قزعة میں نے حضرت ابن عمر سے
قال: سألت ابن عمرو آتی پوچھا۔ طور اؤں فرمایا طور کو چھوڑ
الطور؟ قال دع الطور اور وہاں نہ جا اور فرمایا کہ نہ کجاو
ولأتھا و قال: لا تشدوا کسو مگر تین مساجد کی طرف
الرجال الا الى ثلاثة مساجد

یہ سند صحیح ہے اور اس میں کوئی علت نہیں ہے۔

اور اس کا متابع۔ ورقابن عمر سقیان بن عیینہ عن عمرو بن دینار ہے۔

اس متابعت کو بیہقی نے (شعب الایمان: ۸/۱۰۶) میں بیان کیا ہے!

اور اسی طرح اس کا تابع ابن جریر ہے؛ اس متابعت کو فاکھی نے

اخبار مکہ (۲/۹۴) اور عبدالرزاق نے (المصنف: ۵/۱۳۱)

ابن عیینہ کے ثقات اور حفاظ اصحاب کی مخالفت احمد بن محمد الازرقی

نے کی اس نے ابن عمر سے مرفوعاً بیان کیا ہے جیسا کہ اس کے حقیقہ

(پوتے کی (اخبار مکہ ۶۴-۶۵) میں ہے۔

پس ازرقی کی روایت تمام ثقات کی مخالفت کی وجہ سے شاذ ہے!

لہذا اس شاذ روایت کی البانی کی طرف سے (احکام الجنائز: ۲۸۷)

میں تصحیح واضح طور پر غلطی اور خطا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت

اس روایت کو ابن ماجہ ۱/۵۲۴ - مشکل الآثار للطحاوی ۱/۲۴۲ مسند الشامیین للطبرانی ۲/۳۰۹
 اخبار مکہ للفاکھی ۲/۹۹ تاریخ للیعقوب بن سقیان الفسوی ۲/۲۹۵
 وغیرہم تمام ہے اس سند سے روایت کی۔ یزید بن ابی مریم عن قزعة
 بن یحیی عن عبداللہ بن عمرو بہ مرفوعاً۔
 اور یہ مستدیح ہے۔

ابن ماجہ طحاوی اور طبرانی (مسند الشامیین) میں عبداللہ بن عمرو کی
 حضرت ابوسعید الخدری کے ساتھ ملی ہوئی روایت کی۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت

اس کو طبرانی اوسط (۸/۱-۲۱/۲) میں اور (صغیرا ۱/۱۷۳) میں اور
 ضیاء المقدسی نے (فضائل بیت المقدس) حدیث نمبر ۶) میں بیان کیا۔ امام
 طبرانی نے، المعجم الصغیر میں کہا۔
 حدثنا سلمہ بن ابراہیم بن اسماعیل بن یحییٰ بن سلمہ بن
 کھیل الحضرمی الکوفی، حدثنی ابی عن ابیہ عن جدہ سلمة بن
 کھیل الحضرمی عن حجیة بن عدی عن علی بہ مرفوعاً۔
 امام طبرانی نے کہا: اس کو سلمہ سے اس کے بیٹے یحییٰ کے سوا کسی
 نے روایت نہیں کیا اور اس سے اس کا بیٹا متفرد ہے اور اس غرابت و
 (علت) کی طرف الرضیاء المقدسی نے اشارہ فرمایا ہے۔

لہذا یہ سند سخت ضعیف ہے۔ پس ابراہیم بن اسماعیل بن یحییٰ بن سلمہ ضعیف ہے اور اس کا باپ اور دادا متروک ہیں!

اور امام بیہقی نے (المجمع الزوائد: ۴/۴۰۳) میں صرف پہلی علت بیان کرنے پر ہی اکتفاء و اختصار کیا ہے اور کہا اس کو طبرانی نے صغیر اور الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں ابراہیم بن اسماعیل بن یحییٰ اکھیل ہے اور وہ ضعیف ہے!

اور اس حدیث کا متن وہی معروف متن ہے جو حضرت ابوسعید الخدری کی حدیث شریف کا ہے!

حضرت ابوالجعد الضمیری کی روایت

اس کو روایت کیا۔

بزار نے (کشف الاستار: ۴/۴۰۳؛ مشکل الآثار للطحاوی: ۱/۴۴۴ المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۲/۳۶۶)

فضائل بیت المقدس للضیاء المقدسی (نمبر ۵)

تمام نے عن سعید بن عمرو، ثنا عبثی، عن محمد بن عمرو عن عبیدہ بن سفیان، عن ابی الجعد الضمیری کی سند سے مرفوعاً بیان کی۔

اس کے رجال صحیح کے رجال ہے۔

امام بیہقی نے (المجمع الزوائد: ۴/۴۰۳) میں فرمایا۔

اس کو امام طبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں اور اس کو بزار نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت واثلہ بن الاسقع کی روایت

اس کو روایت کیا۔

الضیاء المقدسی نے (فضائل بیت المقدس نمبر ۹) میں
ایوب بن مدرک المحتفی عن مکحول عن واثلہ بن الاسقع کی سند

سے بیان کیا ہے

امام المقدسی نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ میں نے واثلہ سے اس: ایوب
بن مدرک کی وجہ سے علاوہ کسی اور وجہ سے روایت لکھی ہو۔ اور یہ ایسا راوی
ہے کہ اس میں کلام کیا گیا ہے۔ (انتہی)

ایوب بن مدرک کے بارے ابن معین نے فرمایا۔

لیس بستی۔ یہ کچھ بھی نہیں (ضعیف) ہے

اور ایک مرتبہ فرمایا

کذاب: یہ کذاب ہے اور امام نسائی اور ابو حاتم نے کہا۔ متروک ہے

ایوب بن مدرک کے ضعف کے ساتھ ساتھ اس سند میں انقطاع بھی

ہے کیونکہ ایوب بن مدرک مکحول سے مرسل روایت کرتا ہے۔

(التاریخ الکبیر: ۱/۲۲۳)

حضرت مقدم بن معدی کرب اور حضرت ابو امامہ کی روایت

اس کو امام ابو نعیم الاصبہانی نے (الحلیۃ: ۳۰۸/۹) میں

حدیثنا سلیمان، ثنا موسیٰ، ثنا محمد بن المبارک، ثنا اسماعیل بن عیاش،

عن زید بن زرعة عن شریح بن عبید عن المقدم بن معد کرب وانی امامہ

کی سند سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

پس اس میں ضعف اور انقطاع ہے۔

ضعف تو موسیٰ بن یحییٰ بن المنذر کی وجہ سے ہے حلیۃ الاولیاء میں محمد بن المبارک الحمصی کے ترجمہ میں ایسے ہی واقع ہے۔

موسیٰ بن عیسیٰ کے بارے میں حافظ ابن حجر نے (لسان: ۶/۱۲۶-۱۲۷) کہا۔

اس سے روایت کی طبرانی نے اور یہ امام طبرانی کے قدیم شیوخ میں سے ہے اس سے امام طبرانی ۲۸۰ھ سے پہلے سنا ہے۔ نسائی نے اس کو لکھا اور کہا۔ حمصی سے میں روایت نہیں کرتا وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ انتھی

میں (مصنف) کہتا ہوں۔ المعجم الصغیر میں اس سے ۲۶۸ھ میں سماع واقع ہے۔

اور اس سند میں انقطاع ہے کیونکہ شریح نے ابو امامہ اور المقدم کو نہیں پایا۔

ابن ابی حاتم نے کہا۔ میں نے اپنے باپ سے سنا وہ کہتے تھے۔ شریح بن عبید الحضرمی نے ابو امامہ کو نہیں پایا اور نہ ہی عارت بن الحارث اور المقدم کو پایا ہے؛ (المراسیل: ۹۰)

حضرت عمر فاروق کی روایت

اس کو بزار نے مسند البزار، البحر الذخار: ۲/۲۹۱-۲۹۲ میں اس طرح روایت کیا۔

قال۔ حدثنا یحییٰ بن محمد بن السکن قال: ناہیان بن ہلال واملاء علینا من کتابہ عن ہمام عن قتادہ عن ابی العالیۃ

عن ابن عباس عن عمران التبی صلی اللہ علیہ وسلم قال :

لا تشد الرجال الاری
تہ کجاوے کسے جاتیں مگر

تلاثة مساجد مسجدهم
ان تین مساجد کی طرف مسجد

ومسجدی هذا ومسجد
حرام یہ میری مسجد اور مسجد

اقصی -

الاقصی -

امام بزار نے فرمایا -

ہم نہیں جانتے کہ حضرت عمر سے یہ روایت کسی اور سند سے بھی

مروی ہے۔ اور یہ خطا ہے یہ جان کی کارستانی ہے کیونکہ اس

حدیث کو ہمام وغیرہ نے قتادہ عن قزیمہ عن ابی سعید کی سند سے بیان

کیا ہے -

امام بیہقی نے (المجمع الزوائد: ۴/۴) میں فرمایا -

اس کو بزار نے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں

مگر بزار نے کہا: اس میں جان بن ہلال نے خطا کی ہے -

اور حبان بن ہلال -

ثقة اور ثبت ہے اس کی ثقاہت پر اتفاق ہے لیکن اس حدیث

میں ہمام کے شاگردوں نے اس کی مخالفت کی ہے - اس نے اس کو

مسند حضرت عمر فاروق میں بیان کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ مسند ابی

سعید الخدری سے ہے اور اس طریق سے قتادہ کے شاگردوں نے کئی

سندیں روایت کی ہیں -

الحمد للہ رب العالمین

۲۸ رمضان المبارک رات ۱۲ بجے بحالت اعتکاف ترجمہ ہوا

تَخْرِيجُ
أَحَادِيثِ الزِّيَارَةِ

بقلم
محمود سعيد ممدوح
عفا الله تعالى عنه

١٧ - حديث : « مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي » .

أخرجه الدارقطني في سننه (٢٧٨ / ٢) ، والدولابي في الكنى والأسماء (٦٤ / ٢) ، والبيهقي في « شعب الإيمان » (٤٩٠ / ٣) ، والخطيب في « تلخيص المتشابه في الرسم » (٥٨١ / ١) ، وابن الدبيثي في « الذيل على التاريخ » (١٧٠ / ٢) ، وابن النجار في « تاريخ المدينة » (ص ١٤٢) ، والعقيلي في الضعفاء (١٧٠ / ٤) ، وابن عدى في الكامل (٢٣٥٠ / ٦) ، والسبكي في « شفاء السقام » (ص ٢ - ١٤) .

جميعهم من طرق عن موسى بن هلال العبدى ، عن عبيد الله بن عمر وعبد الله بن عمر كلاهما عن نافع عن ابن عمر به مرفوعاً .

وهذا الإسناد حسن سواء قال موسى بن هلال عن عبيد الله بن عمر أو عن أخيه عبد الله بن عمر أو عنهما .

وقد صححه عبد الحق الأشبيلي ، وصححه أو حسنه السبكي في « شفاء السقام » ؛ والسيوطي في « مناهل الصفا في تخريج أحاديث الشفا » ، وآخرون ممن تأخروا عنه .

وقد أعل هذا الحديث بعلل لا يصح منها شيء لكن لا بد من ذكرها ثم الجواب عليها بدون تكلف إن شاء الله تعالى .

فأعل الحديث بالآتي :

١- موسى بن هلال مجهول واضطرب في هذا الحديث .

٢- أن موسى بن هلال يرويه عن عبد الله بن عمر العمري ولا .

تصح روايته عن عبيد الله بن عمر الثقة الحافظ .

٣ - أن عبد الله بن عمر العمرى ضعيف .

وهذه العلة لا تصح وهي غير ناهضة للحكم على الحديث بالضعف للآتي :

١ - موسى بن هلال حسن الحديث ، وقد قال عنه ابن عدى : أرجو أنه لا بأس به ، وقال الذهبي : صالح الحديث ، وروى عنه عدد من الأئمة الحفاظ من أجلهم أحمد بن حنبل ، هب أن موسى ابن هلال ضعيف فهو لم ينفرد به بل تابعه غيره عليه ، فزال بذلك أى تعلق للمتشددين فى موسى بن هلال .

ودعوى الاضطراب لا تصح إلا مع تعذر الجمع بين الروايات ، وقد أمكن الجمع من جهتين كما سيأتى إن شاء الله تعالى .

٢ - وقد ثبت الحديث من طرق متعددة عن موسى بن هلال عن عبيد الله بن عمر الثقة الحافظ فلا مجال فى الطعن فى ثبوت روايته للحديث عن عبيد الله بن عمر .

٣ - إن سلم أن موسى بن هلال لا يرويه إلا عن عبد الله بن عمر العمرى ، فالعمرى حسن الحديث ، كما قال غير واحد من الأئمة ، وهذا ابن عبد الهادى الذى أقام الدنيا ولم يقعد لها وحشد الأقوال فى تضعيف عبد الله بن عمر العمرى قد استبدل بحديثه فى تنقيح التحقيق (١٢٢ / ١) .

هذا ما أردت أن ألفت نظر القارىء إليه على سبيل الإجمال ، وهاك تفصيل ما أجملت على طريقة اللف والنشر المرتب والله

المستعان :

أما عن الأمر الأول : فموسى بن هلال العبدى حسن الحديث .
فقد قال عنه أبو حاتم الرازى فى « الجرح » (١٦٦ / ٨)
« مجهول » ، وقال العقيلى (١٧٠ / ٤) : ولا يصح حديثه ولا
يتابع عليه . وقال الدارقطنى فى سؤالات البرقانى : مجهول .

هذا حاصل ما قيل فى الرجل الرمى بالجهالة والتفرد .

أما عن الجهالة (١) فهى مردودة بمعرفة غيره له ، فقد روى عنه
عدد كبير من الرواة وفيهم أئمة حفاظ منهم الإمام أحمد بن حنبل
وعده ابن الجوزى فى مناقب الإمام أحمد (ص ٤٩) من شيوخه .

وروى عنه غير أحمد بن حنبل جماعة منهم أحمد بن الخليل ،
ومحمد بن إسماعيل الأحمسى ، وأبو أمية محمد بن إبراهيم
الطرسوسى ، وعبيد بن محمد الوراق ، والفضل بن سهل ، وجعفر
ابن محمد البزورى ، ومحمد بن زنجويه العسيرى ، وعلى بن معبد
ابن نوح ، والعباس بن الفضل ، وهارون بن سفيان ، ومحمد بن
جابر المحاربى ، وأحمد بن أبى غرزة ، وأبو محمد عبد الملك بن
إبراهيم ، ومحمد بن عبد الرزاق .

وإذا كانت جهالة الظاهر ترتفع برواية اثنين أو واحد كما هو مقرر
فى موضعه ، فما بالك بمن روى عنه خمسة عشر رجلاً .

وكان الرجل مشهوراً فاعتمده يعقوب بن سفيان الفسوى فى معرفة

(١) وقد تبع ابن الأتقان أبا حاتم الرازى فما أصاب .

وفيات بعض البصريين (انظر المعرّفة والتاريخ : ١/١٢٢ ، ١٢٧ ،

(١٢٨) .

أما عن جهالة الحال فهي مردودة بأمرين : الأول : بقول ابن عدى
فى « الكامل » (٦ / ٢٣٥٠) : أرجو أنه لا بأس به .

وإذا كان قد تقرر فى المصطلح أن التزكية تقبل بقول واحد فقط فى
الرواية ، فمن روى عنه خمسة عشر رجلاً وفيهم أئمة حفاظ وزكّاه
ابن عدى بقوله لا بأس به ، لا بد أنه غير مجهول بل حديثه مقبول .
وهذا حال كثير من الرواة الذين يصحح الأئمة حديثهم .

والثانى : روى عنه أحمد (مناقب أحمد لابن الجوزى ص ٤٩)
وهو لا يروى إلا عن ثقة كما هو مقرر فى محله .

فإن قيل : قد قال ابن عبد الهادى رحمه الله تعالى فى الصارم
المنكى فى الجواب على ذلك (ص ٤٠ - ٤١) ما نصه :

« الجواب : أن يقال رواية أحمد عن الثقات هو الغالب من فعله
، والأكثر من عمله كما هو المعروف من طريقة شعبة ومالك وعبد
الرحمن ابن مهدي ويحيى بن سغيد القطان وغيرهم وقد يروى الإمام
أحمد قليلاً فى بعض الأحيان عن جماعة نُسبوا إلى الضعف وقلة
الضبط وذلك على وجه الاعتبار والاستشهاد لا على طريق الاجتهاد
والاعتماد مثل روايته عن عامر بن صالح الزبيرى ومحمد بن القاسم
الأسدى وعمر بن هارون البلخى وعلى بن عاصم الواسطى وإبراهيم
بن أبى الليث صاحب الأشجعى ويحيى بن يزيد بن عبد الملك
النوفلى ونصر بن باب وتليد بن سليمان الكوفى وحسين بن حسن

الأشتر وأبى سعيد الصاغانى ومحمد بن ميسر ونحوهم ممن اشتهر الكلام فيه ، وهكذا روايته عن موسى بن هلال إن صحت روايته عنه (١) . اهـ .

قلت : هنا أمور :

الأول : أحمد لا يروى إلا عن ثقة ولكن أحياناً يروى عن الضعفاء لأسباب منها :

أنه لم يتبين أمر الضعيف له .

ومنها أنه يروى عنه على سبيل التعجب كما كان يروى شعبة عن جابر الجعفى ومحمد بن عبيد الله العرزمى .

ومنها الرواية عنهم فى غير الحلال والحرام كما فى ترجمة موسى ابن عبيدة الربذى ، إذا علم ذلك وكان قد استقر لدينا أن الإمام أحمد بن حنبل لا يروى إلا عن ثقة ، فهل رواية أحمد عن موسى ابن هلال مقوية لحال موسى أم ماذا ؟

قلت : قال ابن أبى حاتم الرازى (الجرح : ٣٦/٢) سألت أبى عن رواية الثقات عن رجل غير ثقة مما يقويه ؟ قال : إذا كان معروفاً بالضعف لم تقوه روايته عنه ، وإذا كان مجهولاً نفعه روايته عنه . اهـ .

(١) هذا ظلم بين موسى بن هلال إذ كيف يسوى ابن عبد الهادى بين موسى ابن هلال وبين المذكورين؟! ، وفيهم أقوياء فى الضعف جداً كعامر بن صالح الزبيرى الذى كذبه ابن معين ، ومحمد بن القاسم الأسدى الكذاب ، وعمر بن هارون البلخى المتروك ، وإبراهيم بن أبى الليث المتروك أيضاً وبضرب هذه الأمثلة يظهر للبيب سعى ابن عبد الهادى الخبيث لتضعيف موسى بن هلال العبدى ولو عن طريق التشدد المكشوف !

ثم قال ابن أبي حاتم : سألت أبا زرعة عن رواية الثقات عن رجل مما يقوى حديثه ؟ قال : أي لعمرى ، قلت : الكلبي روى عنه الثوري ، قال : إنما ذلك إذا لم يتكلم فيه العلماء ، وكان الكلبي يتكلم فيه ، قال أبو زرعة : حدثنا أبو نعيم ، نا سفيان ، نا محمد ابن السائب الكلبي وتبسم الثوري ، قال أبو محمد : قلت لأبي ما معنى رواية الثوري عن الكلبي وهو غير ثقة عنده ، فقال : كان الثوري يذكر الرواية عن الكلبي على الإنكار والتعجب . اهـ

ومنه يعلم أن رواية الثقة في نظر أبي زرعة الرازي مفيدة في حالتين :

الأولى : إذا كان المروي عنه مجهول الحال (١) .

الثانية : إذا كان الراوي غير ضارب في الضعف متوغلاً فيه كمحمد ابن السائب الكلبي وجابر الجعفي وعامر بن صالح الزبيري وعمر بن هارون البلخي وأضرابهم .

وعليه فرواية أحمد مقوية لموسى بن هلال العبدى فهو مجهول الحال عند بعضهم ، وقد روى عنه في كتبه وخارجها ، فروى عنه في « الزهد » ، وأسند الفسوى من طريق أحمد عن موسى بن هلال هذا على سبيل التنزل فقط مع القائلين بجهالة موسى بن هلال العبدى وإلا فالرجل من شرط الحسن ، وقد قال الزركشى في الاعتبار في تخريج أحاديث المنهاج والمختصر ص ٢٢٦ : وقال أهل هذا الشأن : إن جهالة الراوي لا توجب قدحاً إذا كان من روى عنه ثقة فإن روايته عنه تكون تعديلاً له . اهـ

والحاصل مما سبق أن إطلاق جهالة الحال على موسى بن هلال من ابن عبد الهادي (الصارم ص ٣٢) فيها نظر ظاهر ، وانظر إلى المقال ولا

(١) وهذا تجد أمثلة كثيرة له في كتب الرجال .

تنظر لمن قال ، فإذا وافق المقال القواعد فهو الحق ، وإن خالفه فهو
 مما لا يلتفت إليه والله المستعان .

أما قول العقيلي في الضعفاء (٤٠ / ١٧٠) : لا يصح حديثه ولا
 يتابع عليه . اهـ

فالناظر والمدقق فيه يرى أن آخره سبب لأوله .

فلأن موسى بن هلال لا يتابع عليه (أى حديث الزيارة فلا يصح
 حديثه ، وذلك في نظر واطلاع العقيلي) .

وفي الجواب على ذلك يقال :

إن قوله : لا يتابع عليه (وهو الأساس المبني عليه) ليس من
 الجرح في شيء ولم يذكره المصنفون في مراتب الجرح إنما هو علامة
 على التفرد فقط .

قال الحافظ ابن رجب في « شرح علل الترمذي » (ص ٢٦٤) :

وأما أكثر الحفاظ المتقدمين فإنهم يقولون في الحديث إذا تفرد به
 واحد ، وإن لم يرو الثقات خلافه : إنه لا يتابع عليه ، ويجعلون
 ذلك علة فيه . اهـ

فالرجل عند العقيلي ليس في أعلى درجات التوثيق حتى يصحح
 له ما انفرد به ولم يتابع عليه ، وليس هو في الدرجة الدنيا من الجرح
 فيترك حديثه ، ولكنه وسط أو صالح الحديث .

أما وقد توبع الرجل كما سيأتي إن شاء الله تعالى ، فحديثه
 مقبول حتى عند العقيلي .

وقد تعقب الحافظ في « التلخيص » (٢ / ٢٦٧) ، قول العقيلي فقال : وفي قوله (أى العقيلي) لا يتابع عليه نظر ، ثم ذكر المتابعة التي ستأتى إن شاء الله تعالى .

وصفوة القول مما تقدم أن الرجل غير مجهول وليس فيه إلا قول العقيلي لا يصح حديثه ولا يتابع عليه (إذا اعتبرت هذا من الجرح الذي يزول بالمتابعة) .

وفي مقابلة ما سبق تجد قول ابن عدى في « الكامل » (٦ / ٢٣٥٠) : أرجو أنه لا بأس به مع توثيق ضمنى من أحمد بن حنبل بروايته عنه . فتحسين حديث موسى بن هلال هو ما أراه صواباً والله أعلم .

وقد قال الحافظ الذهبي في الميزان (٤ / ٢٢٦) بعد حكاية أقوال أبى حاتم والعقيلي وابن عدى فى موسى بن هلال قال : هو صالح الحديث .



أما عن الأمر الثانى وهو إثبات رواية موسى بن هلال للحديث عن عبيد الله بن عمر وعبد الله بن عمر :

فقد اختلف على موسى بن هلال العبدى فى رواية الحديث ، فبعضهم قال عن موسى بن هلال عن عبيد الله ابن عمر المصغر ، وقال آخرون عن عبد الله بن عمر المكبر .

فمن قال عن عبيد الله بن عمر المصغر الحافظ الثقة جماعة هم :

١ - عبيد بن محمد الوراق .

٢ - وجعفر بن محمد البزوري .

٣ - ومحمدُ بنُ إسماعيل بن سمرّة الأحمسي .

٤ - والفضلُ بنُ سهل .

٥ - ومحمد بن عبد الرزاق .

فرواية الأول وهو عبيد بن محمد الوراق أخرجها الدارقطني في سننه (٢٧٨/٢) ، ثنا القاضي المحاملي ، نا عبيد بن محمد الوراق ، نا موسى بن هلال العبدى عن عبيد الله بن عمر به .

قلت : القاضي المحاملي هو أبو عبد الله الحسين بن إسماعيل الضبي المحاملي ثقة حافظ ، والوراق ثقة مترجم في « تاريخ الخطيب » (٩٧/١١) .

وقد اتفقت عدة نسخ مُعتمدة من سنن الدارقطني على ذكر عبيد الله ابن عمر المصغر منها نسخة ابن بشران المطبوعة ومنها نسخة أبي طاهر محمد بن أحمد بن عبد الرحيم كما في شفاء السقام (ص ٣) ، ورواية أبي النعمان تراب بن عبيد كما في الشفاء أيضاً (ص ٥) ، وأخرجه الخلعى في فوائده من طريق أبي النعمان (ل ١/٥٥) .

وهكذا اتفقت روايات الدارقطني على ذكر عبيد الله بن عمر المصغر ، وتابع القاضي المحاملي عن عبيد بن محمد الوراق محمد ابن زنجويه العسيري .

ورواية الثانى : وهو جعفر بن محمد البزورى أخرجها العقيلي في الضعفاء (١٧٠ / ٤) ، ثنا محمد بن عبد الله الحضرمي ، ثنا جعفر ابن محمد البزورى ، ثنا موسى بن هلال البصرى عن عبيد الله به .

ورواية محمد بن إسماعيل بن سمرة الأحمسي أخرجها البيهقي في
شعب الإيمان (٤٩٠ / ٣) ، وأسندها تقي الدين السبكي في « شفاء
السقام » (ص ٧) .

ورواية الفضل بن سهل أخرجها البيهقي في « شعب الإيمان »
(٤٩٠ / ٣) .

ورواية محمد بن عبد الرزاق أخرجها القاضي عياض في الشفا
(٧٤ / ٢) .

فهؤلاء خمسة من الرواة قالوا عن « عبيد الله بن عمر » الثقة
الحافظ ، فلا مجال بعد للطعن في هذه الرواية .

* * *

فصل

وأما من قال عن عبد الله بن عمر العمرى المكبر :

١ - فعلى بن معبد بن نوح .

٢ - والفضل بن سهل .

٣ - ومحمد بن إسماعيل الأحمسي .

٤ - وعبيد بن محمد الوراق .

أما حديث علي بن معبد بن نوح ، فأخرجه الدولابي في
الكنى (٦٤ / ٢) .

وحديث الفضل بن سهل أسنده تقي الدين السبكي من طريق ابن أبي
الدنيا (شفاء السقام ص ٩) .

ورواية محمد بن إسماعيل الأحمسي أخرجها البيهقي في شعب الإيمان (٤٩٠ / ٣) .

ورواية الوراق أخرجها الخطيب في تلخيص المتشابه في الرسم (٥٨١ / ١) .

فحاصل ما تقدم أن الحديث رواه عن موسى بن هلال العبدى ستة قال خمسة منهم عبيد الله المصغر ، وثلاثة رَوَاهُ بِالْوَجْهِينِ ، وانفرد الخامس بقوله عن عبد الله بن عمر فقط .

وسبب ذلك كثرة الرواة عنه .

وللمحدثين في ذلك مسلكان : إما أن يقولوا بالترجيح ، وبذلك ترجح رواية عبيد الله بن عمر المصغر .

والمسلك الثاني : أن تقول : يحتمل أن يكون الحديث عن عبيد الله المصغر وأخيه عبد الله المكبر ، ويكون الراوى عنهما موسى بن هلال العبدى قد رواه عنهما إلا أنه كان يكثر من الرواية به عن عبيد الله بن عمر المصغر الحافظ الثقة .

والألبانى مع تشدده اعترف بثبوت الروایتين (عبيد الله وعبد الله ابني عمر) ، فقال : لأن الطرق بالروایتين عنه متقابلة . (الإرواء : ٣٣٧ / ٤) .

لكنه بحث عن علة فلم يجد إلا الاضطراب ، وما أضعفها من علة ، وسيأتى الجواب عليها إن شاء الله تعالى .

وحاصل ما تقدم أن الحديث ثابت بثبوت الجبال برواية موسى بن هلال العبدى عن عبيد الله بن عمر الإمام الثقة الحافظ .

فصل

فإن قيل : قال ابن عبد الهادي في الصارم (ص ٣٩ - ٤٠) ما
نصه :

« وكان موسى بن هلال حدث به مرة عن عبيد الله فأخطأ لأنه
ليس من أهل الحديث ولا من المشهورين بنقل ، وهو لم يدرك عبيد
الله ولا لحقه ، فإن بعض الرواة عنه لا يروى عن رجل عن عبيد الله
وإنما يروى عن رجل آخر عن عبيد الله ، فإن عبيد الله متقدم الوفاة
كما ذكرنا ذلك فيما تقدم بخلاف عبد الله فإنه عاش دهوراً بعد أخيه
عبيد الله ، وكان موسى بن هلال لم يكن يميز بين عبيد الله وعبد الله
ولا يعرف أنهما رجلان ، فإنه لم يكن من أهل العلم ولا يعتمد عليه
في ضبط باب من أبوابه » . اهـ

قلت وبالله استعنت : هذا تهويل وتشدد وكلام يحتمل دعاوى
مغايرة للواقع وتعصب ممقوت ، ولولا اغترار بعض الناس
به^(١) ما نبهت عليه .

قوله : « وكان موسى بن هلال حدث به مرة عن عبيد الله فأخطأ » .
قلت : بل حدث به موسى بن هلال عن عبيد الله بن عمر بأسانيد
صحيحة مرات وبمخارج متعددة ، فقد رواه هنا من هذا الوجه - كما
سبق - خمسة من الثقات وتعددت مخارجهم ، وهذه دعوى باضطراب
موسى بن هلال ، ولما وجد ابن عبد الهادي أنه لم يسبق إلى هذه الدعوى

(١) منهم الألباني الذي نقل هذا الكلام بعلة الظاهرة في إروائه (٤ /

أراد أن يؤيدها بنفى رواية موسى بن هلال عن عبيد الله واستدل على ذلك بأمرين :

الأول : وهو قوله : « وهو لم يدرك عبيد الله ولا لحقه . . . إلخ » .

قلت : بل أدركه إدراكاً بيئاً ، فقد روى موسى بن هلال عن متقدمى الوفاة مثل كهمس بن الحسن البصرى المثوفى سنة ١٤٣ على ما فى المعرفة والتاريخ للفسوى ، وروايته عنه فى الحلية (٢١٣/٦) أيضاً .

وروى عن هشام بن حسان كما فى « الزهد » للإمام أحمد (ص ٢٧٩) ، و« الحلية » (٢١٢/٦) ، وتوفى هشام بن حسان سنة ١٤٧ أو سنة ١٤٨ .

إذا علم ذلك فروايته عن عبيد الله بن عمر صحيحة لأنه أدركه إدراكاً بيئاً ، ثمَّ إنه رحل للحجاز كما فى الحلية (٣١٣/٦) .

وهذا مما يؤيد ويؤكد رواية موسى بن هلال عن عبيد الله بن عمر .

الثانى : قوله : فَإِنَّ بَعْضَ الرِّوَاةِ عَنْهُ لَا يَرُوى عَنْ رَجُلٍ عَنْ عبيد الله ، وإنما يروى عن رجل آخر عن عبيد الله . اهـ .

قلت : الأمر سهل ولا يحتاج لحشد الأدلة الواهية والإعراض عن رد هذه الواهيات أولى لأولى النظر ، لكن لما رأيت اغترار بعضهم بكلامه تعين بيان ما فيه .

وليعلم أن هذا الكلام مخدوش بقوله « بعض » ، فمعنى ذلك أن البعض الآخر يروى عن عبيد الله العمري بواسطة واحدة ، هذا إجمال .

* أمّا التفصيل :

فمن الرواة عن موسى بن هلال « أحمد بن حنبل » ، وقد روى عن يحيى بن سعيد وعبد الرزاق وحماد بن أسامة وأبي معاوية في رجال آخزين عن عبيد الله بن عمر .

ومنهم أبو أمية الطرسوسى وعلى بن معبد بن نوح البغدادي كلاهما عن روح بن عبادة عن عبيد الله بن عمر .

ومنهم محمد بن إسماعيل الأحمسي ومحمد بن جابر المحاربي كلاهما عن وكيع عن عبيد الله بن عمر ، والأخير عن ابن عيينة عن عبيد الله بن عمر .

والحاصل أنه يجب أن يحكم على الحديث بالاتصال من طريق موسى بن هلال عن عبيد الله ، حيث لم يعلم انتفاء اللقاء بينهما بل ترجح ثبوته ، فعند ذلك يكون الحكم للاتصال كما هو مقرر . والله أعلم .

ثم قال ابن عبد الهادي : وكان موسى بن هلال لم يكن يميز بين عبيد الله وعبد الله ولا يعرف أنّهما رجلان ، ثم استدل على ذلك بقوله : فإنه لم يكن من أهل العلم ولا يعتمد عليه في ضبط باب من أبوابه . اهـ

قلت : هذا تابع لدعوى الاضطراب التي ادعاها ابن عبد الهادي وردها . سيأتى إن شاء الله تعالى .

ثم إنّ الرجل قد روى عنه خمسة عشر رجلاً ، فيهم أئمة حفاظ

فى أعلى درجات التوثيق (١)، كيف يكون فى نهاية التردى والسقوط والاختلاط والجهل الذى ادعاه الرجل، ثم كيف يكون الرجل بالصورة التى ادعاها ابن عبد الهادى ويعتمده حافظ جليل كيعقوب ابن سفيان الفسوى فى معرفة وفيات البصريين . انظر (١٢٢ / ١ ، ١٢٧ ، ١٢٨) .

والأمر سهل للغاية ، فالحديث قصير المتن مشهور الإسناد .
ثم إن تعجب فعجب من دعوى الاضطراب التى ادعيت ، وهى كلمة تقال استرواحاً ، والأمر فيه تفصيل .
فإن المقرر عند علماء الحديث أن الاضطراب إنما يكون حيث تختلف الروايات بالتناقض مع تعذر الجمع ، فالمراتب ثلاث فى هذا الباب جمع فترجيح فاضطراب ، والترتيب واجب عند أولى الألباب .

قال الحافظ العراقى فى ألفيته (٢٢١ / ١ فتح المغيث) :
مُضْطَرِبُ الْحَدِيثِ مَا قَدْ وَرَدَا مُخْتَلَفًا مِنْ وَاحِدٍ فَأَزِيدًا
فى متنٍ أو سَنَدٍ إن اتَّضَحَ فيه تساوى الخُلفُ أَمَّا إن رَجَحَ
بعضُ الوجوهِ لم يكن مُضْطَرِبًا والحكمُ للراجحِ مِنْهَا وَجِبًا
وإذا كانت الروايات قد صحت إلى موسى بن هلال برواية الحديث على الوجهين ، فالجمع هنا واجب بأن نقول قد روى موسى

(١) ومنهم إمام ابن عبد الهادى وشيخ مذهبه الإمام المبجل أحمد بن حنبل الشيبانى رحمه الله تعالى .

الوجهين وكان يحدث تارة بوجه وتارة أخرى بالوجه الآخر . والله تعالى أعلم بالصواب .

* * *

فصل

قال ابن عبد الهادي رحمه الله تعالى في الصارم (ص ٣٤) ما نصه :
ولو فرض أن الحديث من رواية عبيد الله لم يلزم أن يكون صحيحاً فإن تفرد موسى بن هلال به عنه دون سائر أصحابه المشهورين بملازمته وحفظ حديثه وضبطه من أدل الأشياء على أنه منكر غير محفوظ ، وأصحاب عبيد الله بن عمر المعروفون بالرواية عنه مثل يحيى بن سعيد القطان .

ثم ذكر جملة من أصحاب عبيد الله إلى أن قال :

فإذا كان الحديث لم يروه عن عبيد الله أحد من هؤلاء الأثبات ، ولا رواه ثقة غيرهم علمنا إنه منكر غير مقبول وجزمنا بخطأ من حسنه أو صححه . اهـ

قلت : إذا تفرد الرجل بحديث لا يعد ذلك منكراً إلا بشرطين .

الأول : أن يكون المنفرد ضعيفاً لا يصحح حديثه أو يحسن .

الثاني : أن لا يوجد ما يقوى حديثه من متابعات وشواهد .

قال الحافظ في « النكت » (٢ / ٦٧٥) :

إذا انفرد المستور أو الموصوف بسوء الحفظ أو المضعف في بعض

مشايخه دون بعض بشيء لا متابع له ولا شاهد فهذا أحد قسمي المنكر . اهـ

وموسى بن هلال العبدى ليس بمستور أو سىء الحفظ أو مضعف ، كيف يكون كذلك ، وقد روى عنه أئمة حفاظ ثقات كالإمام أحمد ، وقال عنه ابن عدى : لا بأس به ، وقال الذهبى : صالح الحديث . فإذا اعتبرنا تفرد من كان على هذه الحال من قبيل المنكر لأعرضنا عن شطر عظيم من السنّة والله المستعان . وإن سلمنا لابن عبد الهادى بتضعيف موسى بن هلال العبدى ، فلا يعتبر ما تفرد به منكرأ لوجود الشواهد المتكاثرة لهذا الحديث بل والمتابع كما سيأتى إن شاء الله تعالى . وقد أشفقت على علوم الحديث التى تغافل عنها ابن عبد الهادى رحمه الله لغرض ينصره :

* * *

فصل

وإذا سلمنا بتضعيف موسى بن هلال العبدى ، فمثله لا يختلف اثنان (١) أن حديثه يحسن إذا توبع وجاء من طريق آخر .

فقد أخرج الطبرانى (١٣/٢٩١) ، من حديث عبد الله بن محمد العبادى البصرى ، ثنا مسلم بن سالم الجهنى ، حدثنى عبيد الله ابن عمر ، عن نافع عن سالم عن ابن عمر قال : قال رسول الله ﷺ : « من جاءنى زائراً لا يعمل له حاجة إلا زيارتى كان حقاً على أن أكون له شفيعاً يوم القيامة » .

(١) بشرط أن لا يكون أحدهما ابن عبد الهادى .

وقال الهيثمي في « مجمع الزوائد » (٢ / ٤) : رواه الطبراني في الأوسط والكبير ، وفيه مسلمة بن سالم وهو ضعيف . اهـ
 هكذا أخرجه الطبراني والخلعي وابن صاعد فقالوا عن نافع عن سالم ، وقال ابن المقرئ في معجمه عن نافع وسالم .
 وكلهم من طريق عبد الله بن محمد العبادي عن مسلمة عن عبيد الله العمري ، وعبد الله بن محمد العبادي البصري ترجمه السمعاني في الأنساب .

وتابعه من هو أحسن حالاً منه أعني « مسلم بن حاتم الأنصاري » .

فقد وثقه الترمذي والطبراني وابن حبان (التهذيب : ١٠ / ١٢٥)

رواه عن مسلمة بن سالم الجهني عبد الله يعني العمري ، حدثني نافع عن سالم عن ابن عمر قال : قال رسول الله ﷺ : « من جاءني زائراً لم تنزعه حاجةٌ إلا زيارتي كان حقاً عليّ أن أكون له شفيعاً يوم القيامة » .

قلت : وما رواه مسلم بن حاتم الأنصاري هو الأصح لأن مسلماً أوثق من عبد الله بن محمد العبادي .

والحاصل : أن السند صح إلى مسلمة بن سالم الجهني فأنحصر الكلام فيه .

فأقول : الرجل وإن قال عنه أبو داود ليس بثقة . لكن صحح له ابن السكن ، ومقتضى ذلك أن يكون ثقة عنده ، فمع توثيق ابن السكن وكلام أبي داود ، فالرجل يصلح للمتابعات ولا ريب .

* * *

فصل

وقد تقعقع ابن عبد الهادي رحمه الله تعالى كعادته فأخذ يضعف هذه المتابعة فقال :

إنَّه حديث ضعيف الإسناد ، منكر المتن ، لا يصلح الاحتجاج به ، ولا يجوز الاعتماد على مثله ، ولم يخرج أحد من أصحاب الكتب الستة ، ولا رواه الإمام أحمد في مسنده ، ولا أحد من الأئمة المعتمد على ما أطلقوه في روايتهم ولا صححه إمام يعتمد على تصحيحه ، وقد تفرد به هذا الشيخ ^(١) الذي لم يعرف بنقل العلم ولم يشتهر بحمله ولم يعرف من حاله ما يوجب قبول خبره ، وهو مسلمة بن سالم الجهني الذي لم يشتهر إلا برواية هذا الحديث المنكر وحديث آخر موضوع ذكره الطبراني بالإسناد المتقدم ومثله الحجابة في الرأس أمان من الجنون والجذام والبرص والنعاس والضرس . وروى عنه حديث آخر منكر من رواية غير العبادي ، وإذا تفرد مثل هذا الشيخ المجهول الحال القليل الرواية بمثل هذين الحديثين المنكرين عن عبيد الله ابن عمر أثبت آل عمر بن الخطاب في زمانه وأحفظهم عن نافع عن سالم عن أبيه عبد الله بن عمر من بين سائر أصحاب عبيد الله الثقات المشهورين والأثبات المتقنين علم أنه شيخ لا يحل الاحتجاج بخبره ولا يجوز الاعتماد على روايته . اهـ

قلت : أما كونه ضعيف الإسناد منكر المتن ، فهو معارض بتصحيح من هو أعلم وأقدم وأقعد بهذا الفن منه ، أعنى الحافظ أبا

(١) وأغرب ابن عبد الهادي فقال : إنه مجهول الحال (الصارم المنكى ص

علی بن السکن (١) الذى صحح هذا الطريق بمفرده . فما بالك
وهذا الطريق متابع لموسى بن هلال البصرى فهو مقبول حسب
القواعد .

أما كونه « منكر المتن » ، فهى دعوى لا يسندها إلا الدفع بالصدر
فقط ، فلا دليل أتى به ابن عبد الهادى ليقیم به صلب هذه الدعوى
المتهاوية !

أما قوله ولم يخرج أحد من أصحاب الكتاب الستة ولا رواه
الإمام أحمد فى مسنده . . . إلخ ، فهذا اعتراض لا يليق بعارف
بالحديث كابن عبد الهادى وعندما عرف العلماء الحديث الصحيح لم
يشترطوا أن يكون مروياً فى الكتب التى ذكرها ابن عبد الهادى وغيرها ،
لأن العبرة بالسند لا بالكتاب ما خلا الكتب التى لها شروط معينة ، إذ
الكتاب لا يفيد الحديث قوة أو ضعفاً ، وكذلك صاحب الكتاب لا
يفيد الحديث شيئاً إذا كان السند الذى ذكره فى كتابه ضعيفاً .

وقد يكون الكتاب مشحوناً بالمنكرات والواهيات والموضوعات
ويسند صاحبه فيه أحاديث صحيحة وحسنة ومتابعات مقبولة فيحكم
لها بالصحة أو الحسن حسب حال السند ، وبغض النظر عن الكتاب
وهكذا الأمر فى جميع كتب السنة إلا من اشترط شرطاً لكتابه
كأصحاب الصحاح والمستخرجات .

والحاصل : أن كلام ابن عبد الهادى مخالف لأدنى قواعد

(١) وعندما رتب ابن حزم كتب السنة جعل صحيح ابن السكن ثالث الكتب
بعد الصحيحين .

علم الحديث الشريف وهي تعريف الحديث الصحيح الذي لم يشترط أن يكون مروياً في كتاب كذا وليس في كتاب كذا . والله المستعان .
 على أن هذه المتابعة صححتها ابن السكن بإيراده إياها في صحيحه ،
 وأخرجها الطبراني في معجميه الكبير والأوسط وهما من أهم أصول
 الإسلام المعنى بها .

وقد قال ابن تيمية في المنهاج (١٢٢ / ٢) :

« من المعلوم أن الأحاديث المنقولة لا يميز بين صدقها وكذبها إلا
 بالطرق الدالة على ذلك » . ١ هـ

فانظر إلى قوله (بالطرق) ، ولم يقل بالكتب . والله المستعان .
 وأما قول ابن عبد الهادي : « وقد تفرد به هذا الشيخ . » إلخ .
 قلت : قد مر أن الشيخ هو مسلمة بن سالم الجهني لم ينفرد به ،
 بل تابعه بلديه موسى بن هلال البصري ، وكذا تقدم الكلام على
 صلاحية مسلمة بن سالم الجهني للمتابعات ، ثم أراد أن يجهز على
 الرجل ويطيح به أرضاً ، فحكم على حديثين أخرجهما له الطبراني
 بالوضع والنكارة .

أما الأول : وهو حديث الحجامة في الرأس أمان من الجنون
 والجذام والبرص والنعاس والضرس ، فلم يسبق ابن عبد الهادي -
 والله أعلم - في الحكم على الحديث بالوضع .

وكيف يحكم عليه بالوضع وله شاهد عن ابن عباس أخرجه
 العقيلي (٨٣ / ١) ، وابن عدى (٢٠٧٤ / ٦) ، وفيه إسماعيل بن
 شيبه الطائفي ، وهو وإن كان ضعيفاً لكنه لم يتهم بالكذب ، فإذا

ضممنا هذا الشاهد لحديث مسلمة بن سالم الجهني كان الحكم عليه بالوضع بعيد جداً عن قواعد الحديث . والله المستعان .

أما الحديث الآخر : فالخطب فيه هين ، والأمر فيه ليس بعظيم و / يخرج الرجل عن الاستشهاد به ، واقتصر الهيثمي في المجمع (٢١١ / ٣) على تضعيف الحديث بمسلمة بن سالم فقط ، وهو يعني اعتباره في المتابعات والشواهد ، وهو قول حافظ ناقد ثاقب الرأي ليس بمتشدد أو جراح .

قوله : وإذا تفرد مثل هذا الشيخ المجهول الحال القليل الرواية بمثل هذين المنكرين عن عبيد الله بن عمر . . . إلخ .

قلت : دعوى لم يسبق إليها ، فلا الرجل بمجهول الحال ولم يصرح أحد بذلك .

فقد روى عنه جماعة ، وصحح له ابن السكن ، وقال عنه أبو داود : ليس بثقة ، وكان إماماً لمسجد بني حرام بالبصرة ، فكيف يكون مجهولاً بعد ذلك ؟

على أن تفرده عن عبيد الله العمري لا يضره .

فقد تابعه بلديه موسى بن هلال البصري ، وقد مر الكلام على مثل هذه الشبهة . والله المستعان .

* * *

أما عن الأمر الثالث فهو خاص ببيان حال عبد الله بن عمر العمري .

فقد قال ابن عبد الهادي ما نصه :

وقد تكلم في عبد الله العمري جماعة من أئمة الجرح والتعديل

ونسبوه إلى سوء الحفظ والمخالفة للثقات في الروايات . قال أبو حاتم محمد بن حبان البستي في كتاب « المجروحين من المحدثين » : عبد الله ابن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب العمري أخو عبيد الله بن عمر من أهل المدينة يروى عن نافع روى عنه العراقيون وأهل المدينة كان ممن غلب عليه الصلاح والعبادة حتى غفل عن حفظ الأخبار وجودة الحفظ للآثار فوق المناكير في روايته فلما فحش خطؤه استحق الترك . ومات سنة ثلاث وسبعين ومائة .

حدثنا الهمداني ، حدثنا عمرو بن علي قال : كان يحيى بن سعيد لا يحدث عن عبد الله بن عمر ، قال أبو حاتم : وهو الذي روى عن نافع عن عمر (أن النبي ﷺ كان إذا توضأ خلل لحيته) ، وروى عن نافع عن ابن عمر أن النبي ﷺ قال : « من أتى عرفاً فسأله لم تُقبل له صلاة أربعين يوماً » ، وروى عن نافع عن ابن عمر أن النبي ﷺ « أسهم للفارس سهمين وللراجل سهماً » فيما يشبه هذا من المقلوبات والملزوقات التي يُنكرها من أمعن في العلم وطلبه من مظانه ، وقال أبو عيسى الترمذي في جامعه : وعبد الله بن عمر ضعفه يحيى ابن سعيد من قبل حفظه ، وقال البخاري في تاريخه : عبد الله بن عمر بن حفص العمري المدني قرشي كان يحيى بن سعيد يضعفه ، وقال النسائي في كتاب « الكنى » : أبو عبد الرحمن عبد الله بن عمر ابن حفص بن عاصم بن عمر ضعيف ، وقال العقيلي : حدثنا عبد الله ابن أحمد بن حنبل قال : سألت يحيى بن معين عن عبد الله بن عمر العمري فقال : ضعيف ، حدثنا عبد الله ، قال : سألت أبي عن عبد الله بن عمر فقال : كذا وكذا ، وقال أبو زرعة الدمشقي : قيل لأحمد بن حنبل : كيف حديث عبد الله بن عمر ؟ فقال : كان

يزيد في الأسانيد ويخالف وكان رجلاً صالحاً ، وقد ذكر العقيلي هذا القول عن الإمام أحمد بن حنبل من رواية أبي بكر الأثرم عنه ، وروى إسحاق بن منصور عن يحيى بن معين قال عبد الله بن عمر : صويلح ، وقال عبد الله بن علي بن المديني عن أبيه : ضعيف ، وقال أبو حاتم الرازي : يكتب حديثه ولا يحتج به ، وقال يعقوب ابن شيبة : صدوق في حديثه اضطراب ، وقال صالح بن محمد البغدادي : لين مختلط الحديث ، وقال الحاكم أبو أحمد : ليس بالقوى عندهم . انتهى من الصارم المنكي (ص ٣٦ - ٣٨) .

قلت : أسرف ابن عبد الهادي - رحمه الله تعالى - بذكر الجرح وفتح بالقليل من التعديل .

فالذي يقف على ما ذكره ابن عبد الهادي يجزم بضعف الرجل ، أما الواقع ونفس الأمر فشيء آخر ، وعلى ذلك يجب الالتفات لأمر أذكرها في فصول بعون الله تعالى .

* * *

فصل

الأول : صدر كلامه بنقل جرح ابن حبان من « المجروحين » (٦ / ٢) .

وتعنت ابن حبان ومبالغته في الجرح استفاضت واشتهرت . وقد نص على تعنته ومبالغته جمع من الحفاظ منهم الذهبي ، وابن حجر .

فقال الذهبي في « الميزان » (١ / ٢٧٤) في ترجمة أفلح بن سعيد

المدنى بعد حكاية قول ابن حبان : يروى عن الثقات الموضوعات لا يحل الاحتجاج به ولا الرواية عنه بحال ، قال الذهبى ما نصه :

ابن حبان ربما قصب الثقة حتى كأنه لا يدري ما يخرج من رأسه . ١ هـ

وقال فى ترجمة محمد بن الفضل السدوسى المعروف بعارم (٨ / ٤) :

قال الدارقطنى : تغير بأخرة. وما ظهر له بعد اختلاطه حديث منكر

وهو ثقة (أى عارم) قلت (أى الذهبى) : فهذا قول حافظ العصر

الذى لم يأت بعد النسائى مثله ، فأين هذا القول من قول ابن حبان

الخساف المتهور فى عارم ، فقال : اختلط فى آخر عمره وتغير حتى

كان لا يدري ما يحدث به فوق فى حديثه المناكير الكثيرة فيجب

التنكب عن حديثه فيما رواه المتأخرون ، فإذا لم يعلم هذا من هذا

ترك الكل ولا يحتج بشيء منها . ١ هـ

وقال فى ترجمة أيوب بن عبد السلام (٢٩٠ / ١) : ابن حبان

صاحب تشنيع وتشغيب . ١ هـ

وقال فى ترجمة سويد بن عمرو الكلبي بعد أن نقل توثيق ابن

معين وغيره : وأما ابن حبان فأسرف واجترأ ، فقال : كان يقلب

الأسانيد ويضع على الأسانيد الصحاح المتون الواهية . ١ هـ

(٢٥٣ / ٢) .

وقال فى ترجمة عثمان بن عبد الرحمن الطرائفى (٤٥ / ٣) :

وأما ابن حبان فإنه تقعع كعادته فقال فيه : يروى عن قوم ضعاف

أشياء يدلونها عن الثقات حتى إذا سمعها المستمع لم يشك فى وضعها

فلما كثر ذلك فى أخباره ألزقت به تلك الموضوعات وحمل

الناسُ عليه في الجرح فلا يجوز عندي الاحتجاج بروايته كلها بحال .
اهـ .

والحاصل أنَّ كلام ابن حبان في هذا الباب لا يسلم له ، خاصة
في الرجال الموثقين . والله المستعان .

وقد بين ابن حبان مستنده فأتى بثلاثة أحاديث ادعى خطأ عبد الله
العمري فيها .

أما الحديث الأول ، فقال أبو حاتم بن حبان ، وهو الذي روى عن
نافع عن ابن عمر أن النبي ﷺ كان إذا توضأ حلق لحيته . اهـ .

قلت : إن كان للحديث علة فمن الراوى عن عبد الله العمري .

قال الطبراني في المعجم الأوسط (٣٩ / ١ مجمع البحرين) : لم
يروه عن العمري إلا مؤمل بن إسماعيل . اهـ ومؤمل ضعفه جمع
وقال فيه البخاري : منكر الحديث .

فالأولى الحمل على مؤمل بن إسماعيل بل هو الواجب .

وأما الحديث الثاني ، فقال أبو حاتم بن حبان : وروى عن نافع
عن ابن عمر أن النبي ﷺ قال : « من أتى عرافاً فسأله لم تقبل له
صلاة أربعين يوماً » . اهـ

أخرجه ابن وهب في « الجامع » (ص ١١٤) ، سمعت عبد الله
ابن عمر يحدث عن نافع عن ابن عمر به مرفوعاً .

قلت : أراد ابن حبان أن عبد الله خالف أخاه الذي رواه من
حديث نافع عن صفية عن بعض أزواج النبي ﷺ به مرفوعاً .

رواه من هذا الوجه مسلم في صحيحه (۱۷۵۱/۴) ، وأحمد في المسند (۶۸/۴) ، وأبو نعيم في الحلية (۴۰۷/۱۰) ، وتاريخ أصبهان ، والبيهقي في السنن الكبرى (۱۳۸/۸) .
فابن حبان يرى أن الصواب عن نافع عن صفية .

لكن أخرجه أبو نعيم في « الحلية » (۲۴۶/۸) من حديث أبي إسحاق السبيعي عن سعيد بن وهب عن ابن عمر مرفوعاً نحوه .

قلت : أبو إسحاق السبيعي وسعيد بن وهب ثقتان معروفان ، وهذه المتابعة تظهر أن الحديث صحيح من مسند عبيد الله بن عمر رضي الله عنهما فلم يخطيء فيه عبد الله العمري ، كما تظهر مدى التسرع في تخطئة عبد الله العمري .

أما الحديث الثالث ، فقال ابن حبان : وروى عن نافع عن ابن عمر أن النبي ﷺ « أسهم للفارس سهمين وللراجل سهماً » .

قلت : أراد ابن حبان أن عبد الله العمري خالف أخاه عبيد الله الذي رواه باختلاف في اللفظ عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما أن النبي ﷺ جعل للفارس سهمين ولصاحبه سهماً .

والإجابة على ذلك هي ما قاله الحافظ في « الفتح » (۶۸/۶)
قال :

المعنى أسهم للفارس بسبب فرسه غير سهمه المختص به . اهـ
وإن سلم بخطأ عبد الله العمري في هذا الحديث فلا يضره بجانب ما روى ، والرجل مكث ، وقد أخطأ في حديث فكان ماذا ؟

فإن قيل : قد ذكر معنى الترك غير ابن حبان ، وهو ابن عمار
الموصلى ، فقال كما فى التهذيب (٣٢٨ / ٥) : لم يتركه أحد إلا
يحيى بن سعيد . اهـ .

قلت : قال عمرو بن على الفلاس كان يحيى بن سعيد لا يحدث
عنه . وهذا أو غيره لم يذكر مستند يحيى بن سعيد فى عدم الرواية
عنه .

والحاذق يعلم أن ابن عمار لم يقصد الترك بالمعنى الاصطلاحي ،
ولكنه قصد الترك بمعنى عدم الرواية ، وبون شاسع بين المعنيين فلزم
التنبه .

ويوضحه ويقويه قول أبى عيسى الترمذى الحافظ (العلل مع شرحه
ص ١٢) :

ذكر عن يحيى بن سعيد أنه كان إذا رأى الرجل يحدث من حفظه
مرة هكذا ، ومرة هكذا لا يثبت على رواية واحدة تركه ، وقد حدث
عن هؤلاء الذين تركهم يحيى بن سعيد القطان عبد الله بن المبارك
ووكيع بن الجراح وعبد الرحمن بن مهدي وغيرهم من الأئمة . اهـ
وهذا ابن عبد الهادى الذى شنع على عبد الله العمرى يقول عن
أحد الرواة :

وكون يحيى بن سعيد كان لا يرضاه غير قادح فيه ، فإن يحيى
شَرَطَهُ شديداً فى الرجال ، ولذلك قال : لو لم أرو إلا عمَّن أَرْضَى
ما رويت إلا عن خمسة . اهـ

وكونه لا يرضاه أى لا يرضى الرواية عنه ، فهو كعبد الله العمرى .
فتأمل .

وقد قال الحافظ في « مقدمة النتح » (ص ٤٠٢) في ترجمة الزبير البصرى :

وحكى الباجى فى رجال البخارى عن على بن المدينى أنه قال : تركه شعبة ، قلت : والذى رأيت عن على أنه قال لم يرو عنه شعبة ، وبين اللفظين فرقان . اهـ

وترك الرواية قد يكون لشبهة لا توجب الجرح .

ومما يدل على أن قول ابن حبان فى العمرى غير معمول به ، ولم يلتفت إليه أن المحدثين اتسموا فى العمرى لقسمين منهم من قبل حديثه ، والثانى من ضعفه .

وهذا الأخير قبل حديثه فى باب المتابعات والشواهد ، والمعلوم والمقرر أن المتروك لا يُقبل حديثه فى المتابعات والشواهد ، فعلم أن ضعفه عندهم من الضعف الخفيف الذى يزول بمجىء متابع له أو شاهد فيرتقى حديثه إلى الحسن لغيره . والله أعلم .

ويعضده أن الرجل قد أخرج له مسلم فى صحيحه مقروناً بأخيه عبيد الله .

فكيف يكون من أخرج له مسلم فى صحيحه - ولو مقروناً بغيره - حاله كما ذكر ابن حبان واعتمده ابن عبد الهادى !!؟

* * *

فصل

ثم نقل ابن عبد الهادى عن الإمام أحمد بن حنبل قوله كذا وكذا ، وقوله كان يزيد فى الأسانيد ويخالف ، وكان رجلاً صالحاً .

قلت : أما عن الأولى فلك في النظر إليها وجهان :

الأول : قال الذهبي في الميزان (٤٨٣ / ٤) في ترجمة يونس بن أبي إسحاق السبيعي هذه العبارة - أي قول أحمد كذا وكذا - يستعملها عبد الله بن أحمد كثيراً فيما يجيبه به والده ، وهي بالاستقراء كناية عن فيه لين . ١ هـ

واللين أقل الضعف .

ولكن لم يذكر ابن عبد الهادي سامحه الله ما يدل على توثيق أحمد لعبد الله بن عمر العمري ، حيث قال (الجرح : ١٠٩ / ٥ - ١١٠) :

« صالح لا بأس به قد روى عنه الناس » . ١ هـ

الوجه الثاني : قال ابن عدى في « الكامل » (١٤٦٠ / ٤) :

ثنا ابن حماد ، ثنا عبد الله بن أحمد عن أبيه قال عبد الله بن عمر ابن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب ، وهو أخو عبيد الله بن عمر كذا وكذا ، ثنا ابن أبي عصمة ، ثنا أبو طالب سألت أحمد بن حنبل عن عبد الله بن عمر العمري قال :

« صالح قد روى عنه لا بأس به ، ولكن ليس مثل أخيه عبيد الله » . ١ هـ

قلت : المدقق في أقوال الإمام أحمد رحمه الله تعالى يجد أن كلامه هو توثيق نسبي أو تليين نسبي لا يراد به المعنى المتعين من اللفظ الثاني فإنه نزل به بالنسبة لأخيه عبيد الله الثقة الحافظ المتفق عليه .

وقد نبه الحافظ السخاوي على الجرح والتعديل النسبي فقال (فتح

المغيث : ٣٤٨ / ١) :

ينبغي أن نتأمل أقوال المزكين ومخارجها ، فقد يقولون : فلان ثقة أو ضعيف ، ولا يريدون به أنه ممن يحتج بحديثه ولا ممن يرد ، وإنما ذلك بالنسبة لمن قرن معه على وفق ما وجه إلى القائل من السؤال كان يُسأل عن الفاضل المتوسط في حديثه ويقرن بالضعفاء ، فيقال ما تقول في فلان وفلان ؟ فيقول : فلان ثقة يريد أنه ليس من نمط من قُرُن به ، فإذا سُئل عنه بمفرده بين حاله في المتوسط . وأمثلة ذلك كثيرة لا نطيل بها . اهـ .

ومنه يعلم أن تليين أحمد للعمري - في رواية عبد الله - بالنسبة لأخيه عبيد الله الحافظ الثقة .

ويؤيد ذلك ما سيأتي عن ابن عدى إن شاء الله تعالى .

* * *

فصل

ونقل ابن عبد الهادي عن يحيى بن معين قولين :

الأول : تضعيفه ، والثاني : قوله صويلح ، فلم يستوف ما قاله ابن معين في الرجل .

فقد روى ابن أبي مريم عن يحيى بن معين أنه قال : ليس به بأس يكتب حديثه . اهـ .

ومن المعلوم أن قول ابن معين في الرجل ليس به بأس معناه أنه ثقة .

وقال عثمان بن سعيد الدارمي : قلت لابن معين كيف حاله في

نافع ؟ قال : صالح ثقة (الكامل : ١٤٥٩ / ٤) .

فالأول : توثيق مطلق من ابن معين للعمري ، والثاني : توثيقه له في خصوص روايته عن نافع كما في حديثنا هذا ، وهو نص من إمام الجرح والتعديل قاطع للنزاع .

والدارمي الذي روى عنه هذا النص من أخص وأشهر أصحاب ابن معين والله المستعان .

ومما سبق يعلم أن الراجح من أقوال الإمام أحمد وإمام الجرح والتعديل يحيى بن معين هو قبول حديث عبد الله العمري واعتماده ما لم يخالف ، شأنه في ذلك شأن جمهرة الثقات . والله أعلم .

* * *

فصل

وإذا تبين للقارئ الكريم حقيقة أقوال يحيى بن معين وأحمد وابن حبان في العمري فليعلم المستفيد أن الرجل قد وثقه جمع من الأئمة ، واعتمده عدد من حفاظ الأمة وهذا معروف ومسطور في كتب الجرح والتعديل .

ولكن الغريب ألا يذكره ابن عبد الهادي والله في خلقه شئون !

فممن وثق العمري مما لم يذكره ابن عبد الهادي في الصارم : الإمام العلم أحمد بن صالح المصري (ثقات ابن شاهين ص ١٥١) وقال أبو حاتم الرازي (الجرح : ١١٠ / ٥) : رأيت أحمد بن صالح (١) يحسن الثناء على عبد الله العمري .

(١) وقع في التهذيب (٣٢٧ / ٥) أحمد بن حنبل وهو خطأ ، والصواب ما في الجرح والتعديل .

وقال العجلي : ٢٦٠ لا بأس به (الثقات ص ٢٣٩) .

ووثقه ابن شاهين بإيراده له في ثقاته (ص ١٥١) .

وقال الخليلي : ثقة غير أن الحفاظ لم يرضوا حفظه . اهـ ،
وقوله الحفاظ لم يرضوا حفظه أي سعة محفوظه ، انظر نظير ذلك
في مقدمة الفتح (ص ٤٢٠) .

ولعلمهم لم يرضوا حفظه بالنسبة لحفظ أخيه عبيد الله العمري ،
فإن كثيراً من أقوالهم فيه ترجع للمقارنة مع أخيه ، كما سيأتي
تصريح ابن عدي بذلك ، والمقصود بيان أن الرجل ثقة عند أبي يعلى
الخليلي .

وكان عبد الرحمن بن مهدي يحدث عنه .

وحسن له أبو يعلى الموصلي .

وحسن له أيضاً يعقوب بن شيبه وقال (تاريخ بغداد : ١٠ / ٢٠) :

ثقة صدوق في حديثه اضطراب . اهـ .

وهو يعني أن الاضطراب الذي في حديثه لا يخرج عن حد الثقة

الصدوق .

وقد صحح له ابن السكن ، وهو يعني توثيقه ، وحسن له

الترمذي (تحفة ٩ / ٣٩١ - ٣٩٢) في باب مايقول إذا رأى مبتلى ،

وفي أبواب الحج (تحفة ٣ / ٥٩٠) (١) في باب دخول مكة نهاراً .

وجوز البخاري تصحيح حديثه كما تشير عبارته في جزء رفع اليدين

(ص ٢٥) ، وذكره في صحيحه في كتاب العلم باب المناولة (الفتح

(١) ووهم المباركفوري رحمه الله تعالى في تحفة الأحوذى (٣ / ٩٥٠) فذكر

أنه عبيد الله بن عمر فوهم والصواب أنه عبد الله العمري وانظر تحفة الأشراف

(١٠٧ / ٦) .

(١٥٤/١) فجزم الكرمانى أنه العمري ، ومال إليه البدر العيني (٤٠٧/١) وخالفهما الحافظ (الفتح ١/١٥٤) ، وحسن له ابن كثير فى التفسير فى أوائل سورة القصص ، وحسن له المنذرى فى الترغيب لكن لا تحضرنى الآن أماكنه .

وقال ابن عدي فى « الكامل » (١٨٦٩/٥) : وثقه الناس اهـ وهو يعنى قبول الناس لحديثه .

وقال فى « الكامل » أيضاً (١٤٦١/٤) : ولعبد الله بن عمر حديث صالح وأروى من رأيت عنه ابن وهب ووكيع وغيرهما من ثقات المسلمين وهو لا بأس فى رواياته ، وإنما قالوا فيه لا يلحق أخاه عبيد الله ، وإلا فهو فى نفسه صدوق لا بأس به . اهـ

وهذا الذى ذكره ابن عدي هو أعدل الأقوال فى عبد الله العمري .

فالرجل وإن تكلم فيه فحديثه حسن إلا إذا تبين مخالفته شأنه شأن من يحسن حديثهم ، ومن قارن ترجمته بترجمة من يحسن الأئمة حديثهم كمحمد بن إسحاق وعبد الله بن محمد بن عقيل لا ينفك إلا عن تحسين حديث الرجل وهو ما ذهب إليه الحافظ الذهبى ، فقال فى المغنى (٣٤٨/١) : صدوق حسن الحديث . اهـ

واقصر على عبارات التوثيق الواردة فيه فى كتابه « الكاشف » (٩٩/٢) ، و« الديوان » (ص ١٧٣) ، وأدخله فى كتابه من تكلم فيه وهو موثق (ص ١١٢) .

وقال الحافظ السخاوى فى « التحفة اللطيفة » (٣٦٦/٣) : كان

صالحاً عالماً خيراً صالح الحديث . اهـ

* * *

فصل

وإذا سلمنا بتضعيف عبد الله العمرى .

فقد قال عثمان بن سعيد : قلت ليحيى بن معين : عبد الله العمرى ما حاله فى نافع ؟ قال : صالح ثقة . اهـ . كذا فى « الكامل » (١٤٥٩ / ٤) .

قلت : والرجل يروى هنا عن نافع .

فهذا نص قاطع للنزاع من إمام الجرح والتعديل والله المستعان .

تنبيه :

حمل ابن عبد الهادى رحمه الله تعالى فى الصارم المنكى على عبد الله العمرى ورفع راية تضعيفه ، فإن تعجب فلك ذلك إذا وقفت على تقويته لعبد الله العمرى فى التنقيح ورده على من ضعفه واحتججه بحديثه فى « الأحكام » .

فلما ضعفه المخالف عبد الله بن عمر العمرى قال ابن عبد الهادى (١٢٢ / ١) :

وأما عبد الله بن عمر فقد قال يحيى فى رواية : ليس به بأس . اهـ وهى تعنى توثيقه .

ثم لك أن تعجب ثانية إذا علمت أن هذه الرواية التى تفيد توثيق ابن معين للعمرى لم يذكرها ابن عبد الهادى نصاً أو حتى إشارة فى الصارم المنكى . ! ونسأل الله العافية

وخاصل ما تقدم أن حديث الزيارة « من زار قبرى وجبت له

شفاعتی « بحديث حسن ولا بد ، وهذا ما تقتضيه قواعد الحديث ،
أما من كابر فلا كلام لنا معه وهو غير متصود بالذات من هذا الكلام ،
والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات .

۱۸ - حديث : « مَنْ زَارَنِي فِي مَمَاتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي ،
وَمَنْ زَارَنِي حَتَّى يَنْتَهَى إِلَى قَبْرِى كُنْتُ لَهُ شَهِيداً يَوْمَ الْقِيَامَةِ » .

أخرجه العقيلي في « الضعفاء » (۳ / ۴۵۷) حدثنا سعيد بن
محمد الحضرمي ثنا فضالة بن سعيد بن زميل المأربي ، حدثنا محمد
بن يحيى المأربي عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس به مرفوعاً .
ورواه تقي الدين السبكي في « شفاء السقام » (ص ۳۸) بسنده
إلى ابن عساكر الذي أخرجه من طريق العقيلي المذكور ولنظنه :

« من رآني في المنام كان كمن رآني في حياتي . . . » الحديث .

والصواب ما في ضعفاء العقيلي ، وإن كانت رواية ابن عساكر هي
صواب أيضاً ، فلا ضير في ذلك ، فإن لفظ الزيارة ثابت في كلا
الروايتين في آخر الحديث .

وأعل هذا الحديث بفضالة بن سعيد بن زميل المأربي وشيخه محمد
ابن يحيى بن قيس المأربي .

أما فضالة بن سعيد بن زميل المأربي فقال العقيلي في « الضعفاء »
(۳ / ۴۵۷) : حديثه غير محفوظ ، ولا يعرف إلا به ، ثم قال بعد
أن ذكر الحديث محل البحث بإسناده : « وهذا يروى بغير هذا الإسناد
من طريق أيضاً فيه لين » . اهـ

فدل كلام العقيلي على أمور :

الأول : أن حديث فضالة بن سعيد المأربي غير محفوظ .

الثاني : أنه فرد .

الثالث : أن هذا الإسناد فيه لين

والأمر الثالث هو خلاصة نظر العتيلي في هذا الإسناد إنه فيه لين .
واللين هو أقل الضعف .

وإن تعجب فعجب من الحافظ الذهبي - رحمه الله تعالى - ففي ترجمته لفضالة بن سعيد بن زميل المأربي ذكر الحديث موضع البحث ثم قال (٣٤٩ / ٣) : هذا موضوع على ابن جريج . اهـ

ولا يوجد في الإسناد أو المتن ما يساعده على دعواه .

فهي دعوى لا برهان عليها ، ولا ذكر الذهبي دليلاً يشهد لها وكلام العتيلي هنا أقوى وأقعد .

* * *

فصل

وأما محمد بن يحيى بن قيس المأربي فقد وثقه الدارقطني في سؤالات البرقاني (٤٦٤) وابن حبان (٤٥ / ٩) وذكره ابن أبي حاتم في « الجرح والتعديل » برواية جمع عنه ، ولم يذكر فيه جرحاً ولا تعديلاً (١٢٣ / ٨) .

وقال ابن حزم : مجهول .

فقبول توثيق الدارقطني وابن حبان هو الموافق لقواعد الحديث ومن علم حجة على من لم يعلم .

فإن قيل قد قال ابنُ عدى في « الكامل » (٢٢٣٩/٦) : أحاديثه مظلمةٌ منكراً . اهـ .

قلت : هذا سرف من ابن عدى رحمه الله تعالى .
وقد ذكر حديثين له في ترجمته ، أولهما : في مدح وذم بعض
المدن والحمل فيه على من رواه عنه وهو خطاب بن عمر الهمداني ،
وقد قال الذهبي في ترجمته من « الميزان » : مجهول وخبره في فضل
البلدان كذب . اهـ .

وأصاب العقيلي بذكره هذا الحديث الموضوع في ترجمة خطاب بن
عمر الهمداني (٢٥/٢)

والحديث الآخر الذي ذكره ابن عدى في ترجمة محمد بن يحيى
المأربي حديث في الاستقطاع أخرجه أصحاب السنن وغيرهم ،
وصححه ابن حبان (٣٥١/١٠) ، والخطب في مثل ذلك سهل لا
يستحق معه أن يقال في حق الرجل : أحاديثه مظلمة منكراً . وأين
هي الأحاديث الكثيرة التي تستحق هذا الوصف . . !!؟ .

وقال الذهبي في « الكاشف » (٩٥/٣) : وثق .

وهي تقضى على ترده المذكور في ترجمة محمد بن يحيى المأربي
في « الميزان » (٦٢/٤) .

وخلاصة ما قيل في محمد بن يحيى المأربي هو قول الحافظ في
التقريب (ص ٥١٣) : لين الحديث . والترمذي : يحسن لمن قيل
فيه مثل ذلك .

★ تنبيه :

أما ابن عبد الهادي فإنه ما أصاب في كلامه عن محمد بن يحيى
المأربي وتشدد وبعد عن الإنصاف ، فذكر أن الرجل مختلف فيه .

ثم أراد أن يقوى رجحان جرحه وتضعيفه ، فذكر كلام ابن عدى
وأيده بالحديث الموضوع في مدح وذم بعض المدن وتقدم أن الحمل فيه
على خطاب بن عمر الهمداني المجهول ، فلم يكفه أنه لم يصرح
بتوثيق الدارقطني للمأربي في سؤالات البرقاني (٤٦٤) بل زاد أن
ألصق به حديثاً موضوعاً نسأل الله تعالى السلامة والصون .

بقي الكلام على ما قد يظن بعضهم أنه علةٌ ثالثة في هذا الإسناد ،
وهي أن ابن جريج وهو عبد الملك ابن عبد العزيز بن جريج مدلس
ولم يصرح بالسمع .

والجواب على ذلك : أن هذا يرويه ابن جريج عن عطاء وروايته
عنه محمولة على السماع صرح أو لم يصرح ، فإن ابن جريج قال :
إذا قلت : قال عطاء : فأنا سمعته منه ، وإن لم أقل سمعت . (التهذيب
٤٠٦/٦) .

فالحاصل مما تقدم أن هذا الإسناد فيه زاوٍ غاية ما فيه أنه مجهول
وتفرد بهذا الحديث ، وآخر اختلف فيه وثقه الدارقطني وصحح له
ابن حبان ووثقه وأخرج له أصحاب السنن النسائي وأبو داود
والترمذي ، وقال عنه الحافظ : لين الحديث . وقال الذهبي : وثق .

فإذا كان الأمر كذلك فهذا الإسناد ضعيف فقط بسبب فضالة بن سعيد بن زميل المأربى فقط ويمكن أن ينجبر بغيره بل يمكن أن يكون مشبه بالحسن على رأى جماعة من الحفاظ ، وهو وحده يقضى على قولهم المتهافت : أحاديث الزيارة كلها ضعيفة بل موضوعة . فكيف ولهذا الحديث نظائر أقوى منه ، نسأل الله تعالى الإنصاف فى الغضب والرضا . والله تعالى أعلم بالصواب .

١٩ - حديث : « من زارنى بالمدينة محتسباً كنت له شفيعاً وشهيداً يوم القيامة » .

أخرجه البيهقى فى شعب الإيمان (٤٨٨ / ٣) ، وحمزة بن يوسف السهمى فى تاريخ جرجان (ص ٤٣٤) ومن طريقه السبكى فى شفاء السقام (ص ٣٥) ، وابن أبى الدنيا فى كتاب « القبور » كلهم من طريق محمد بن إسماعيل بن أبى فديك عن سليمان بن يزيد الكعبى أبى المثنى عن أنس بن مالك أن رسول الله ﷺ قال :

« من زارنى بالمدينة محتسباً كنت له شفيعاً وشهيداً يوم القيامة » .

قلت : محمد بن إسماعيل بن أبى فديك ثقة احتج به الجماعة .

لكن أبا المثنى سليمان بن يزيد الكعبى قال عنه أبو حاتم : منكر الحديث ليس بقوى . وضعفه الدارقطنى ، وقال ابن حبان فى « المجروحين » :

يخالف الثقات فى الروايات ، لا يجوز الاحتجاج به ولا الرواية عنه إلا للاعتبار . لكنه ذكره فى « الثقات » (٣٩٥ / ٦) ، وحسن له الترمذى .

ومقتضى ذلك أن يكون « صدوق الحديث » عند الترمذى ، قال
الحافظ فى « تعجيل المنفعة » (ص ١٥٣) :

قول الترمذى حسن غريب هذا يقتضى أن الراوى عنده صدوق
معروف . اهـ

وصحح له الحاكم (٢٢١/٤ - ٢٢٢) وهو يعنى أن الرجل ثقة
عنده .

فإن أعرضت عن تحسين الترمذى وتصحيح الحاكم له وتوثيق ابن
حبان ، فالرجل ضعفه من النوع الخفيف الذى يزول بمجىء متابع أو
شاهد له ، لذلك اقتصر الحافظ على تضعيفه فى « التقريب » (ص ٦٧٠) .

وأجاد الحافظ الذهبى فقال فى « الكاشف » (٣٣١/٣) : « وثق ،
وقال أبو حاتم ليس بقوى » . اهـ

وتبقى علة أخرى فى هذا السند وهى الانقطاع بين سليمان بن يزيد
وأنس بن مالك ، فإن سليمان بن يزيد من أتباع التابعين .

★ وله طريق آخر عن أنس :

قال إسحاق بن راهويه فى مسنده : أخبرنا عيسى بن يونس ، ثنا
ثور بن يزيد ، حدثنى شيخ عن أنس عن النبى ﷺ . (المداوى :
٢٣٢/٦) .

قلت : عيسى بن يونس هو ابن أبى إسحاق السبعى ، ثقة .

وThor بن يزيد ثقة ثبت .

فلولا الشيخ المبهم الذى لم يسم لكان السند فى أعلى درجات
الصحة .

لكن هذا الطريق إذا ضم لسابقه استفاد الحديث قوته فإن قال قائل : إنه مُشَبَّهٌ بالحسن يكون قد أصاب ، وكم احتج الأئمة الفقهاء بأقل من هذا وبمثله في الأحكام ، بل هذا بمفرده يثبت مشروعية الزيارة . وابن عبد الهادي لم يذكر الطريق الثاني عن أنس ، وكأنه لم يقف عليه ، ولذا كان كلامه مقصوراً على الطريق الأول فقط .

ولو وقف عليه ابن عبد الهادي لشنع عليه وصب تشنيعه على الراوى المبهم كما هي طريقته لأنه يأبى أن يصح حديث في الباب . والله المستعان .

٢٠ - حديث : « من أتى المدينة زائراً لى وجبت له شفاعتى يوم القيامة ، ومن مات فى أحد الحرمين بعث آمناً » .

أخرجه يحيى بن الحسن بن جعفر فى أخبار المدينة كما فى « شفاء السقام » (ص ٤٠) .

ثنا محمد بن يعقوب ، ثنا عبد الله بن وهب ، عن رجل عن بكر ابن عبد الله عن النبى ﷺ قال : « من أتى المدينة زائراً لى وجبت له شفاعتى يوم القيامة ، ومن مات فى أحد الحرمين بعث آمناً » .

محمد بن يعقوب هو الأسدى الزبيرى المدنى أبو عمر .

قال عنه أبو حاتم والنسائى : لا بأس به ، وذكره ابن حبان فى الثقات ، وقال : مستقيم الحديث (التهذيب : ٥٣٣/٩) .

وقال الحافظ فى التقریب (ص ٥١٤) : صدوق .

وعبد الله بن وهب هو الثقة الحافظ الفقيه .

أما بكر بن عبد الله فالذي يظهر لى أنه المزني البصري فهو تابعي ثقة ثبت جليل كما في «التقريب» (ص ١٢٧) ، فعلى هذا فالحديث مرسل ، ولولا الرجل المبهم لكان صحيح الإسناد .

واحتمل السيد السمهودي في «وفاء الوفا» (١٣٤٨/٤) أن بكر ابن عبد الله هو المزني المذكور أو هو بكر بن عبد الله بن الربيع الأنصاري الصحابي المترجم له في الإصابة (١٦٤/١) .

ووقع في «الصارم المنكي» (ص ٣٤٣) بكير بن عبد الله بالياء ، وهو تصحيف من الناسخ ، وإن لم يكن تصحيفاً - وهو بعيد - فإن عبد الله بن وهب يروى في جامعه عن بكير بن عبد الله الأشج المدني ثم المصري بواسطة واحدة ، وبكير بن عبد الله الأشج من تابعي التابعين . والأرجح فيما سبق - والله أعلم - أن بكر بن عبد الله هو المزني .

ومع الاحتمالات الثلاثة المذكورة ، فالحديث ضعيف الإسناد فقط . فمن مجانبة قواعد الحديث قول ابن عبد الهادي في الصارم (ص ٢٤٣) : وهو حديث باطل لا أصل له ، وخبر معضل لا يعتمد على مثله وهو من أضعف المراسيل وأوهى المنقطعات . اهـ . قلت : تزيد الرجل جداً وبالغ وتعننت وتشدد . فإسناد الحديث ليس فيه إلا الرجل المبهم ، وإمامه أحمد بن حنبل وغيره من أئمة الفقه والحديث يحتجون بالمرسل . ولم يذكر ابن عبد الهادي دليل مقولته لأن قواعد الحديث لا توافقه .

ومن تعصب الألباني قوله في رده على الشيخ محمد سعيد رمضان البوطي (ص ١٠٩) :

« وهذا باطل كما قال ابن عبد الهادي . اهـ »

فعمدته قول ابن عبد الهادي الذي ما استطاع أن يقيم صلب دعوته المتهاوية ، ثم جاء الألباني يردد الصدى لاغير ، وهذا هو التقليد المذموم فأين البحث منه أو ممن قلده هنا !؟

والمتتبع يجد أن المحدثين لا يزيدون في مثل هذا على قولهم : مرسل ضعيف الإسناد ، ومثله ينجبر بغيره ، نسأل الله تعالى السلامة والصون .

٢١ - حديث : « مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي ، وَمَنْ مَاتَ بِأَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ مِنَ الْأَمْنِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ » .

أخرجه الدارقطني في سننه (٢٧٨ / ٢) ، حدثنا أبو عبيد والقاضي أبو عبد الله وابن مخلد قالوا : أنا محمد بن الوليد البصري ، نا وكيع ، نا خالد بن أبي خالد وأبو عون عن الشعبي والأسود بن ميمون عن هارون أبي قزعة عن رجل من آل حاطب عن حاطب قال : قال رسول الله ﷺ :

« من زارني بعد موتي فكأنما زارني في حياتي ، ومن مات بأحد الحرمين بعث من الأمنين يوم القيامة » .

وأخرجه من هذا الوجه البيهقي في « شعب الإيمان » (٤٨٨ / ٣)

والمحاملى والساجى كما فى الميزان ، وعلقه ابن عبد البر فى الاستذكار .

ورواه البخارى فى تاريخه فقال :

ميمون بن سوار العبدى عن هارون أبى قزعة عن رجل من ولد حاطب عن رسول الله ﷺ : « من مات فى أحد الحرمين ... » .

قلت وبالله استعنت : خالد بن أبى خالد هو خالد بن طهمان ، فإنه يروى عن طبقة الشعبى وهو كوفى مثله ، ويروى عنه وكيع وليس هو خالد بن أبى خلدة كما ادعى ابن عبد الهادى فى « الصارم المنكى » (ص ١٥١) ، وخالد بن طهمان صدوق وكان قد اختلط ، لكن تابعه ابن عون ، ويقال أبو عون وهو هو فإنه عبد الله بن عون البصرى وكنيته أبو عون وهو ثقة ثبت ، فصح بذلك السند إلى عامر بن شراحيل الشعبى بل إلى هارون بن أبى قزعة لأن الشعبى حافظ ثقة لا يسهل عن مثله .

وأغرب ابن عبد الهادى وتشدد جداً وهول فقال :

وأما ما وقع من الزيادة فى الإسناد عن وكيع عن خالد بن أبى خالد وأبى عون أو ابن عون عن الشعبى أو بإسقاط الشعبى (١) ، فإنها زيادة منكرة غير محفوظة ، وليس للشعبى مدخل فى إسناد هذا الحديث ... ثم قال : والحاصل أن ذكر هذه الزيادة المظلمة فى الإسناد لم تزد الحديث فقط بل لم تزد إلا ضعفاً واضطراباً (الصارم المنكى ص ١٥١) .

(١) رجح السبكى فى « شفاء السقام » رواية : إثبات الشعبى وهو الصواب

قلت : هذه الزيادة مسلسلة بالثقات كما تقدم وكيع بن الجراح
وخالد بن طهمان ومتابعه عبد الله بن عون البصرى ، ثم عامر
الشعبى ثقات لا ينظر فى حالهم ما خلا ابن طهمان وهو صدوق وقد
توبع .

ونسأل الله تعالى الإنصاف فى الرضا والغضب .

إذا علم ذلك فإن الكلام فى هذا الإسناد انحصر فى هارون بن أبى
قزعة وشيخه المبهم .

أما هارون بن أبى قزعة فقد قيل هارون أبو قزعة ، وقيل ابن قزعة
وهذا لا يضر .

قال الحافظ فى « النكت على ابن الصلاح (٧٧٣ / ٢) » :
« واختلاف الرواة فى اسم رجل لا يؤثر ذلك ، لأنه إن كان ذلك
الرجل ثقة فلا ضير ، وإلا غير ثقة فضعف الحديث إنما هو من قبل
ضعفه لا من قبل اختلاف الثقات فى اسمه » . اهـ فتأمل ذلك .

والرجل قد ضعفه يعقوب بن شيبه ، وذكره العقيلي والساجى وابن
الجارود فى الضعفاء ، لكن ذكره ابن حبان فى الثقات (٥٨٠ / ٧) .

ويروى عنه عامر الشعبى فىكون هارون بن أبى قزعة ثقة عنده .

قال يحيى بن معين فى « الشعبى » : إذا حدث عن رجل فسماه
فهو ثقة ويحتج به (التهذيب : ٦٧ / ٥) ، فرواية الشعبى عن هارون
ابن أبى قزعة توثيق له ، كما قال ابن معين لأنه سماه . لكنه توثيق
أقل من النص على ذلك صراحة ، فهو توثيق ضمنى أو إجمالى .

فمع توثيق ابن حبان ورواية الشعبي الموثقة لهارون بن أبي قزعة ،
فالرجل ممن يعتبر بحديثه ويستشهد به .
وتبقى علة واحدة في هذا الإسناد وهي شيخ هارون بن أبي قزعة
المبهم .

وليكن الضعف في هذا الحديث غير شديد بل ضعفه قريب ويحتاج
الفقهاء بمثله في إثبات مشروعية أمر ما ودونك كتب الفقه للتحقق
من صحة مقولتي ، فكيف ولأحاديث الزيارة طرق بعضها من شرط
الحسن ، فإذا وقفت بعد على قولهم : أحاديث الزيارة ضعيفة بل
موضوعة فاضرب به عرض الحائط لأنه مخالف للقواعد .

وقد قال الحافظ الذهبي : أجودها (أي أحاديث الزيارة) إسناداً
حديث حاطب ، وأقره السخاوي في « المقاصد الحسنة » (ص ٤١٣) ،
والسيوطي في « الدرر المنتثرة » (ص ١٧٣) فهؤلاء ثلاثة من الحفاظ
اتفقوا على مقولة تدحض المخالف ، فماذا بعد الهدى . . .

بقي التنبيه على أن ابن تيمية قد حكم على هذا الحديث بالكذب ،
فقال في كتابه « التوسل والوسيلة ص ٧٤ » : هذا كذب ظاهر
مخالف لدين المسلمين ، فإن من زاره في حياته وكان مؤمناً به كان
من أصحابه لا سيما إن كان من المهاجرين إليه المجاهدين معه ، وقد
ثبت عن صلى الله عليه وسلم أنه قال : « لا تسبوا أصحابي فوالذي
نفسى بيده لو أنفق أحدكم مثل أحد ذهباً ما بلغ مد أحدهم ولا
نضيفه » . أخرجاه في الصحيحين ، والواحد من بعد الصحابة لا
يكون مثل الصحابة بأعمال مأمور بها واجبة كالحج والجهاد
والصلوات الخمس والصلاة عليه ، فكيف بعمل ليس بواجب باتفاق
المسلمين . اهـ (ص ٧٤) .

وقلده الألباني فحكم على هذا الحديث بالبطلان فما أصابا .

وجواب هذا الإشكال سهل :

١ - هذا تشبيه ولا يلزم من التشبيه المساواة بين طرفي التشبيه ، فقد يكون أحدهما أفضل من الآخر ، فيكون من باب إلحاق فاضل بأفضل منه كقولك الرملى كالشافعى وأبو يوسف كأبى حنيفة وزيد كالبدر ومدرسة كالأزهر ونحو ذلك الوجه .

٢ - الجامع بين طرفي التشبيه هو الحياة ، فمن زاره صلى الله عليه وسلم بعد موته يسبه من زاره في حياته باعتبار حياة النبي ﷺ في قبره الشريف ، وحياة النبي ﷺ في قبره تواترت بها الأخبار وأفردها عدد من الحفاظ منهم البيهقى والسيوطى ، وللحافظ أحمد بن الصديق الغمارى رحمه الله - إلى خلاصة جامعة في حياة الأنبياء تجدها في خاتمة كتاب « الرد المحكم المتين على كتاب القول المبين » لشيخنا العلامة المحقق الجامع سيدى عبد الله بن الصديق رحمه الله تعالى ونور مرقده .

بيد أن الأمر لا يخلو من توجيه نظر القارىء إلى أن هذا الإتفاق الذى ذكره ابن تيمية فيه نظر ، لأن زيارة سيدنا رسول الله ﷺ واجبة عند كثير من علماء المسلمين وهو قول الظاهرية ، وعليه كثير من المالكية وهو قول عند الحنفية .

٢٢ - حديث : « مَنْ زَارَ قَبْرِى أَوْ قَالَ مِنْ زَارَنِى كُنْتُ لَهُ شَفِيعاً أَوْ شَهِيداً أَوْ مَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللهُ مِنَ الْأَمْنِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ » .

أخرجه أبو داود الطيالسى (منحة المعبود ١ / ٢٢٨) ، والبيهقى فى السنن الكبرى (٥ / ٢٤٥) ، وفى « شعب الإيمان » (٣ / ٤٨٨) .

حدثنا سوار بن ميمون أبو الجراح العبدى ، قال : حدثنى رجل من آل عمر عن عمر قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول :

« مَنْ زَارَ قَبْرِى أَوْ قَالَ مِنْ زَارَنِى كُنْتُ لَهُ شَفِيعاً أَوْ شَهِيداً ، وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللهُ مِنَ الْأَمْنِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ » .

وأخرجه البيهقي في شعب الإيمان (٤٨٩ / ٣) من حديث شعبة
ابن الحجاج عن سوار بن ميمون ، نا هارون بن قزعة عن رجل من
آل الخطاب عن النبي ﷺ قال :

« من زارني متعمداً كان في جوارى يوم القيامة ، ومن سكن
المدينة وجدَّ على بلائها كنت له شهيداً أو شفيعاً ، ومن مات في أحد
الحرمين بعثه الله من الآمنين يوم القيامة » .

وقال العقيلي : والرواية في هذا لينة (١٧٠ / ٤) .

فاختلف حديث شعبة وأبي داود الطيالسي وخلافهما يرجع لأمرين :

الأول : قال شعبة عن سوار بن ميمون عن هارون بن قزعة ، ولم
يذكر أبو داود هارون بن قزعة .

الثاني : الاختلاف فيمن رفع الحديث .

وهذا الاختلاف لا مدخل لشعبة ولأبي داود الطيالسي فيه فكلاهما
عن كبار الحفاظ الثقات خاصة أولهما فتوهيم أحدهما - كما فعل ابن
عبد الهادي - فيه نظر .

فقد حكم ابن عبد الهادي بوهم أبو داود الطيالسي من جهتين ،
الأولى : أنه وهم بإسقاط هارون بن قزعة من روايته ، الثانية : أن
ذكر عمر وهم من الطيالسي .

كذا قال ابن عبد الهادي سامحه الله (الصارم المنكي ص ١٣٢) !!
وهذا عجيب جداً من ابن عبد الهادي ، فإن أبا داود الطيالسي حافظ
ثقة إمام مصنف حدث بما تحمله ، فلا مدخل له فيه .

والصواب أن هذا الاختلاف راجع لسوار بن ميمون ، فإنه مما لا
ترجمة له في كتب الرجال .

فلا ينبغي أن يوهم الطيالسي ويترك سوار بن ميمون - أو ميمون ابن سوار كما قيل في بعض الروايات - الغير معروف .
والحاصل أن الحديث ضعيف بهذا الإسناد .

٢٣ - حديث : « من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي » .

أخرجه الطبراني في المعجم الكبير (٤٠٦ / ١٢) ، والدارقطني في سننه (٢٧٨ / ٢) ، والبيهقي في السنن الكبرى (٢٤٦ / ٥) ، وابن عدي في الكامل (٧٩٠ / ٢) ، والأصبهاني في الترغيب والترهيب (٤٤٧ / ١) ، والفاكهي في أخبار مكة (٤٣٧ / ١) ، وعزاه الذهبي للبخاري في الضعفاء تعليقاً ، ولم أجده في المطبوعة (الميزان : ٥٥٩ / ١) ، وهو في المطالب العالية (٣٧٢ / ١) معزواً لأبي يعلى .

جميعهم من طريق حفص بن سليمان الأسدي القاري عن ليث بن أبي سليم ، عن مجاهد بن جبر عن ابن عمر مرفوعاً قال : قال رسول الله ﷺ : « من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي » .

وفي هذا الإسناد ضعيفان ، وأولهما أضعف من الثاني .

أما أولهما : فهو حفص بن سليمان الكوفي القاري .

ضعفه جماعة ، وقال بعضهم : متروك ، وبالغ فيه بعضهم فنسبه إلى الكذب ، وقد أجاب على هذه المبالغة تقى الدين السبكي رحمه الله تعالى فقال :

وعندي أن هذا القول سرف ، فإن هذا الرجل إمام قراءة وكيف يعتقد أنه يقدم على وضع الحديث والكذب ويتفق الناس على الأخذ

بقراءته ، وإنما غايته أنه ليس من أهل الحديث ، فلتلك وقعت المنكرات والغلط الكثير في روايته . اهـ (شفاء السقام ص ٢٥) .

وقال تلميذه الذهبي في ترجمة شيخه عاصم بن أبي النجود القارى :

ما زال في كل وقت يكون العالم إماماً في كل فن مقصراً في فنون وكذلك كان صاحبه حفص بن سليمان ثباً في القراءة وإهياً في الحديث ، وكان الأعمش بخلافه كان ثباً في الحديث لينا في الحروف . اهـ (سير النبلاء : ٥ / ٢٦٠) .

وبكلام السبكي والذهبي يزول ما قد يشكك للبعض عن حال حفص بن سليمان القارى .

وثانيهما : هو ليث بن أبي سليم صدوق في نفسه لكنه اختلط ، ولم يتميز حديثه ، فمثله وإن كان ضعيفاً فلم يتخلف عنه بصير في باب المتابعات والشواهد .

ولم ينفرد حفص بن سليمان به عن ليث بن أبي سليم فله متابعان : أولهما : ما أخرجه الطبراني في معجميه الكبير (١٢ / ٤٠٦) ، والأوسط (١ / ٢٠١) .

قال : حدثنا أحمد بن رشدين ، قال : حدثنا علي بن الحسن بن هارون الأنصارى ، قال : حدثني الليث ابن ابنة الليث بن أبي سليم قال : حدثني عائشة ابنة يونس امرأة الليث عن ليث بن أبي سليم عن مجاهد عن ابن عمر به مرفوعاً . هكذا وقع في الكبير .

وفي المطبوع من المعجم الأوسط للطبراني لم يذكر ليث بن أبي

سليم ، والصواب ما وقع في الكبير ، وأشار الطبراني في الأوسط إلى تفرد علي بن الحسن بن هارون الأنصاري به .

وقال الهيثمي في « المجمع » : وفيه عائشة بنت سعد ، ولم أجد من ترجمها (٢/٤) . ١ هـ .

قلت : والأمر كذلك ، ومثلها علي بن الحسن بن هارون الأنصاري ، والليث ابن ابنة الليث بن أبي سليم لم أجد من ترجمهما .

وشيخ الطبراني أحمد بن رشدين المقال فيه مشهور . فهذا الإسناد ضعيف جداً .

أما المتابعة الثانية :

فهي ما أخرجها أبو بكر محمد بن السري بن عثمان التمار في جزئه قال :

ثنا نصر بن شعيب مولى العبديين ، ثنا أبي ، وثنا جعفر بن سليمان الضبعي عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر به مرفوعاً . كذا في « شفاء السقام » (ص ٢٧) .

وهذا الإسناد ضعيف . بسبب أبي بكر محمد بن السري بن عثمان التمار .

قال عنه الذهبي :

يروى المناكير والبلايا ، ليس بشيء ، وأقره الحافظ في اللسان (١٧٤/٥) .

وفيه ضعيف آخر هو نصر بن شعيب .

قال الذهبي عنه في الميزان (٢٥١ / ٢) : نصر بن شعيب عن أبيه
عن جعفر بن سليمان ضعف .

وقال ابن عساكر : هو وهم وإنما هو حفص بن سليمان أبو عمر
الأسدي الغاضري القاري (شفاء السقام ص ٢٧) . وعلى كل
فالحديث ضعيف .

٢٤ - حديث : « من حجَّ حجة الإسلام وزار قبري وغزاً غزوةً
وصلَّى في بيت المقدس لم يسأله الله عمَّا افترض عليه » .

أخرجه أبو الفتح الأزدي في فوائده قال :

ثنا النعمان بن هارون بن أبي الدلهات ، ثنا أبو سهل بدر بن
عبد الله المصيصي ، ثنا الحسن بن عثمان الزبدي ، ثنا عمار بن محمد ،
حدثني خالي سفيان عن منصور عن إبراهيم عن علقمة عن عبد الله
ابن مسعود . فعأ به .

كذا في شفاء السقام (ص ٣٤) .

ولكن وقع فيه ابن عمر والصواب ابن مسعود كما في اللسان
(٤ / ٢) ، والقول البديع (ص ١٣٥) ، وتنزيه الشريعة (١٧٥ / ٢) .

أبو الفتح الأزدي صاحب الجزء هو حافظ مشهور ضعفه جماعة ،
وبالغ فيه بعضهم بسبب روايته حديثاً أتهم به .

قال الخطيب في التاريخ (٢٤٤ / ٢) : وسألت محمد بن جعفر
ابن علان عنه فذكره بالحفظ وحسن المعرفة بالحديث وأثنى عليه ،

فحدثني أبو النجيب عبد الغفار بن عبد الواحد الأرموي قال : رأيتُ
 أهل الموصل يوهنون أبا الفتح الأزدي جداً ولا يعدونه شيئاً . قال :
 وحدثني محمد بن صدقة الموصلی أن أبا الفتح قدم بغداد على الأمير
 - يعني ابن بويه - فوضع له حديثاً : أن جبريل كان ينزل على النبي
 ﷺ في صورته . قال : فأجازه وأعطاه دراهم كثيرة . ١ هـ

وقال ابن كثير في « البداية » (١١ / ٣٠٣) :

ضَعَّفَهُ كَثِيرٌ مِنَ الْحَفَازِ مِنْ أَهْلِ زَمَانِهِ وَاتَّهَمَهُ بَعْضُهُمْ بِوَضْعِ حَدِيثٍ
 رَوَاهُ لَابْنُ بُوَيْهٍ ، حِينَ قَدِمَ عَلَيْهِ بِبَغْدَادٍ ، فَمِيقَاهُ بِإِسْنَادٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ :
 « أَنْ جَبْرِيلَ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ فِي مِثْلِ صُورَةِ ذَلِكَ الْأَمِيرِ » ، فَأَجَازَهُ
 وَأَعْطَاهُ دِرَاهِمَ كَثِيرَةً . ١ هـ

وفي إسناده أبو سهل بدر بن عبد الله المصيصي قال عنه الحافظ
 الذهبي : ... عن الحسن بن عثمان الزياتي بخبر باطل وعنه
 النعمان بن هارون . (الميزان : ١ / ٣٠٠) .

وقال الحافظ ابن حجر في ترجمته في اللسان (٤ / ٢) : والخبر
 المذكور أخرجه أبو الفتح الأزدي في الثامن من فوائده فذكره الحافظ
 بإسناده .

وأورده السيوطي في « ذيل اللآلئ » ، فذكره ابن عراق في تنزيه
 الشريعة تبعاً له . (١٧٥ / ٢) .

وقال الحافظ السخاوي في القول البديع (ص ١٣٥) : في ثبوته
 نظر . ١ هـ

فالصواب - والله أعلم - أن الحمل في هذا الحديث على أبي

الفتح الأزدي لا على المصيصي ، وقد قال الإمام السبكي عن المصيصي : ما علمت من حاله شيئاً (شفاء السقام ص ٣٤ - ٣٥) .

وهل صح السند إلى المصيصي حتى تعلق التهمة به ؟

والحاصل : أن الحديث لا يصح وبعضهم حكم عليه بالوضع وفي المتن نكارة .

٢٥ - حديث : « مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزِرْنِي فَقَدْ جَفَّانِي » .

أخرجه ابنُ عدي في « الكامل » (٧ / ٢٤٨٠) ، وابن حبان في « المجروحين » (٣ / ٧٣) ، والدارقطني في غرائب مالك (كما في شفاء السقام ص ٢٨) ، والسهمي في « تاريخ جرجان » (ص ٢١٧) .

جميعهم من طريق محمد بن محمد بن النعمان بن شبل قال : حدثني جدي ، قال : حدثنا مالك عن نافع عن ابن عمر به مرفوعاً .

وقد حكم عليه ابن الجوزي بالوضع (الموضوعات : ٢ / ٢١٧) فأصاب في حكمه ووافقه في هذا الحكم جماعة من الحفاظ .

فمحمد بن محمد بن النعمان بن شبل طعن فيه الدارقطني واتهمه (الميزان : ٤ / ٢٦) .

وجده النعمان بن شبل قال عنه موسى بن هارون : كان متهماً (الكامل : ٧ / ٢٤٨٠) ، وقال ابن حبان في « المجروحين » (٣ / ٧٣) : يأتي

عن الثقات بالطامات ، وعن الأثبات بالمقلوبات . اهـ

فإن قيل : قد قال ابن عدي في الكامل (٧ / ٢٤٨٠) : ثنا

صالح بن أحمد بن أبي مقاتل ، ثنا عمران بن موسى الدجاجي ،
ثنا النعمان بن شبل وكان ثقة . ۱ هـ

أجيب بأن هذا التوثيق إما أن يكون من صالح بن أحمد أو من
عمران بن موسى الدجاجي ، فإن كان من أولهما ، فهو ليس أهلاً
له ، وإن كان من ثانيهما فالرواية لا تصح إليه ، فإن صالح بن أحمد
ابن أبي مقاتل هو المعروف بالقيراطي البزار شديد الضعف حتى قال
عنه الدارقطني : متروك كذاب دجال ، وقال عنه ابن عدي : كان
يسرق الحديث .

وعلى كلِّ فالحملُ في هذا الحديث على محمد بن محمد بن النعمان أولى
من الحمل على جده النعمان بن شبل وهو ما صرح به الدارقطني ، فقال فيما
نقله عنه ابن الجوزي في الموضوعات (۲۱۷/۲) حيث قال :

« الطعن في هذا الحديث من محمد بن محمد بن النعمان » . ۱ هـ

والنعمان بن شبل قد ارتضاه ابن عدي في « الكامل (۲۴۸۰ / ۷) .

ويروى هذا الحديث بإسناد ساقط جداً ، ولعلَّ محمد بن محمد
ابن النعمان سرَّقه من جده ورَّكَّبَ له إسناداً نظيفاً عن مالك عن نافع
عن ابن عمر ، فقد أخرج أبو الحسن يحيى بن الحسن بن جعفر في
أخبار المدينة (كما في شفاء السقام ص ۳۹) من حديث النعمان بن
شبل ، ثنا محمد بن الفضل عن جابر عن محمد بن عليّ عن عليّ
رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ :

« مَنْ زَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي ، وَمَنْ لَمْ
يَزِرْنِي فَقَدْ جَفَانِي » .

قلت : هذا تالف .

والنعمان بن شبل تقدم الكلام عليه .
ومحمد بن الفضل هو ابن عطية العبسي الكوفي كذبه غير واحد
من النقاد .

وجابر هو ابن يزيد الجعفي حاله معروف في الضعف .

٢٦ - حديث : « مَنْ زَارَ قَبْرِي حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي » .

أخرجه البزار في مسنده (كشف الأستار : ٥٧/٢) .

حدثنا قتيبة ، ثنا عبد الله بن إبراهيم ، ثنا عبد الرحمن بن زيد ،
عن أبيه عن ابن عمر عن النبي ﷺ : « مَنْ زَارَ قَبْرِي حَلَّتْ لَهُ
شَفَاعَتِي » .

قال البزار :

عبد الله بن إبراهيم لم يتابع على هذا وإنما يكتب ما يتفرد به . ١ هـ

وقال الهيثمي في المجمع (٢/٤) :

رواه البزار وفيه عبد الله بن إبراهيم الغفاري وهو ضعيف . ١ هـ

قلت : عبد الله بن إبراهيم الغفاري حاله أشد في الضعف .

فقد قال عنه الحافظ في « التتريب » (ص ٢٩٥) :

متروك ونسبه ابن حبان إلى الوضع . ١ هـ

وشيخه عبد الرحمن بن زيد بن أسلم ضعيف أيضاً .

وكان ابن عدي حسن الرأي فيه ، وتقدم الكلام عليه .

والحاصل : أن هذا الحديث ضعيف جداً بهذا الإسناد .

٢٧ - حديث : « مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي وَأَنَا حَيٌّ » .

قال الإمام تقي الدين السبكي : رواه أبو الفتوح سعيد بن محمد ابن إسماعيل اليعقوبى فى جزء له فيه فوائد مشتملة على بعض شمائل سيدنا رسول الله ﷺ وآثاره وما ورد فى فضل زيارته ودرجة زواره (شفاء السقام ص ٣٤ - ٣٥) .

وأخرجه اليعقوبى من طريق خالد بن يزيد ، ثنا عبد الله بن عمر العمرى ، قال : سمعت سعيد المقبرى يقول : سمعت أبا هريرة رضى الله عنه يقول فذكره مرفوعاً .

فى هذا الإسناد خالد بن يزيد أبو الهيثم العمرى المكى كذبه أبو حاتم ويحيى بن معين وضعفه جداً العقيلى وابن عدى وابن حبان وغيرهم .

٢٨ - حديث : « مَنْ زَارَنِي مَيِّتاً فَكَأَنَّمَا زَارَنِي حَيًّا ، وَمَنْ زَارَ قَبْرِي وَجِبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أُمَّتِي لَهُ سَعَةٌ ثُمَّ لَمْ يَزِرْنِي فَلَيْسَ لَهُ خَذَرٌ » .

أخرجه ابن النجار فى الدرر الثمينة فى فضائل المدينة (ص ١٤٤) . من طريق محمد بن مقاتل عن جعفر بن هارون عن سمعان بن المهدي عن أنس مرفوعاً به .

وهذا بعض من نسخة سمعان بن المهدي المكذوبة .

قال الحافظ الذهبى فى الميزان (٢ / ٢٣٤) عن سمعان هذا :

ألصقت به نسخة مكذوبة رأيتها قبح الله من وضعها . ١ هـ
 وقال الحافظ في " اللسان " (١١٤ / ٣) في ترجمة سمعان
 المذكور . وهي من رواية محمد بن مقاتل الرازي عن جعفر بن
 هارون الواسطي عن سمعان ، فذكر النسخة وهي أكثر من ثلاثمائة
 حديث أكثر متونها موضوعة . وهذا هو السند المذكور أعلاه ومحمد
 ابن مقاتل الرازي . قال عنه الذهبي (٤٧ / ٤) :

تكلم فيه ولم يترك . ١ هـ

وجعفر بن هارون الواسطي قال عنه الذهبي :

أتى بخبر موضوع . ١ هـ

ونسخة سمعان بن مهدي عن أنس من النسخ المشهورة بالوضع .

٢٩ - حديث : « رَحِمَ اللهُ مَنْ زَارَنِي وَزِمَامٌ نَاقَتِهِ بِيَدِهِ » .

هذا الحديث وضعه العوام ولا إسناد له ، وقد صرح الحافظ ابن
 حجر بأنه مما لا أصل له ، وأقره تلميذه السخاوي في المقاصد
 الحسنة .

٣٠ - حديث : « مَنْ زَارَنِي وَزَارَ أَبِي إِبْرَاهِيمَ فِي عَامٍ وَأَحَدٍ دَخَلَ

الجنة » .

هذا حديث موضوع ولا إسناد له ، صرح بذلك الإمام النووي في
 المجموع (٢٠٩ / ٨) ، وابن تيمية في اقتضاء الصراط المستقيم (ص
 ٤٠٢) .

ومن حكم يطلانه الزركشي والسيوطي وابن عَرَّاق في جماعة

آخرين .

٣١ - حديث : « مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِى سَمِعْتُهُ ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِباً أُبَلِّغْتُهُ » .

أخرجه أبو الشيخ الأصبهاني في الثواب (كما في اللآلئ) :
(٢٨٣ / ١) .

حدثنا عبد الرحمن بن أحمد الأعرج ، حدثنا الحسن بن الصباح ،
حدثنا أبو معاوية عن الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة به
مرفوعاً .

قال الحافظ السخاوى في القول البديع (ص ١٥٤) : وسنده جيد
كما أفاده شيخنا (أى الحافظ ابن حجر) . ١ هـ .

وقد أصاب الحافظ فى حكمه ، فإسناد الحديث رجاله رجال
الصحيح ما خلا شيخ أبى الشيخ الأصبهاني ، وهو عبد الرحمن بن
أحمد بن أبى يحيى الزهرى أبو صالح الأعرج المتوفى سنة ٣٠٠
ترجمه أبو الشيخ الأصبهاني فى طبقات المحدثين بأصبهان (٥٤١ / ٣) ،
وأبو نعيم فى أخبار أصبهان (١١٣ / ٢) ، ولم يذكر فيه جرحاً أو
تعديلاً .

وقد روى عنه جماعة منهم أبو الشيخ ابن حبان الأصبهاني الحافظ ،
فغاية ما فى الرجل إنه مستور ، وهو على شرط ابن حبان لكن لم
أجده فى ثقاته .

ومثل هذا الصنف من الرواة يقبل الجمهور حديثه ما لم يخالف
كما صرح الذهبى بذلك فى ترجمة مالك بن الخير الزياى .

وقال الذهبي في ترجمة زياد بن مليك (٩٣ / ٢) : شيخ مستور
ما وثق ولا ضعف ، فهو جائر الحديث . ١ هـ

وقال في ترجمة الربيع بن زياد الهمداني (٤٠ / ٢) : ما رأيت
لأحد فيه تضعيفاً ، فهو جائر الحديث . ١ هـ

وتوسع الزركشي فقال في المعبر في تخريج أحاديث المنهاج
والمختصر (ص ٦٩) :

قال أهل هذا الشأن : إنَّ جهالة الراوي لا توجب قدحاً إذا كان
من روى عنه ثقة ، فإن روايته عنه تكون تعديلاً له . ١ هـ .

والحاصل أنَّ رواية من كان هذا شأنه مقبولة ما لم يخالف أويأت
بمتن منكر ، ولا تجد هنا مخالفة ومتن الحديث ليس فيه نكارة .

فالحديث بهذا الإسناد مقبول ، وقد قال الحافظ أحمد بن الصديق
الغماري في المداوي لعل المناوي (١ / ٢٧٧ / ٦) إسناده نظيف . ١ هـ

وقد صرح ابن تيمية في الرد على الأحنائي (ص ١٣٤) أن
الحديث صحيح المعنى ، ولكنه تكلم في إسناده باعتبار ما سيأتي إن
شاء الله تعالى .

وللحديث طريق آخر عن الأعمش .

أخرجه العقيلي في الضعفاء (١٣٧ / ٤) ، والبيهقي في حياة
الأنبياء (ص ١٥) ، وفي شعب الإيمان (٢١٨ / ٢) ، والخطيب
في التاريخ (٩١ / ٣ ، ٢٩٢) ، وابن الجوزي في الموضوعات
(٣٠٣ / ١) ، وغيرهم .

من طريق محمد بن مروان السدى عن الأعمش عن أبي صالح
عن أبي هريرة به مرفوعاً .

قلت : فى إسناده محمد بن مروان السدى متروك الحديث وكُذِّب .
وقال العقيلي فى الضعفاء : لا أصل له من حديث الأعمش وليس
بمحفوظ ولا يتابعه إلا من هو دونه . ١ هـ

وقال ابن كثير فى « التفسير » (٤٦٦/٦) : فى إسناده نظر تفرد
به محمد بن مروان السدى الصغير وهو متروك . ١ هـ

النظر الذى ذكره ابن كثير هو بالنسبة لهذا الإسناد فقط ، فقد
حكم على هذا الحديث بالوضع ابن الجوزى ومن تبعه .

أما بالنظر لما للطريق الذى أخرجه أبو الشيخ فى الثواب ،
فالحديث جيد الإسناد كما صرح بذلك الحافظ ابن حجر ، واختلف
فيه قول ابن تيمية ، فحكم عليه بالوضع فى الفتاوى (٢٤١/٢٧) ،
لكن قال : إسناده لين فى إحدى رسائله فى الزيارة (ص ١٧) وقال
فى الرد على الأحنائي (ص ١٣٤) : وإن كان معناه صحيحاً فإسناده
لا يحتج به .

وأنت خير أن حكمه بالوضع فبالنظر لإسناد السدى الصغير فقط .
وإن تعجب فاعجب من ابن عبد الهادى رحمه الله تعالى الذى
ذهب إلى أقصى التشدد ، فقال فى صارمه : وقد روى بعضهم هذا
الحديث من رواية أبى معاوية عن الأعمش ، وهو خطأ فاحش وإنما
محمد بن مروان تفرد به ، وهو متروك الحديث متهم بالكذب . ١ هـ
ووجه العجب أنه جعل رواية السدى المتروك المكذب هى المحفوظة
وسواء كان قد وقف على رواية أبى الشيخ أو لم يقف عليها ، فإنه
لم يأت بدليل يقيم صلب دعواه ، وما كان كذلك فإنه ينهار من

أساسه ، ثم محمد بن مروان السدي لم يتفرد به كطيشير إليه كلام العقيلي وكما يعلم من رواية أبي الشيخ الأصبهاني المتقدمة ولعل ابن عبد الهادي لم يرد أن يخالف شيخه ابن تيمية .

وحاصل ما ذكر أن الحديث جيد الإسناد ، ومن حكم على هذا الحديث بالوضع فلعدم وقوفه على رواية أبي الشيخ . والله أعلم .

٣٢ - حديث : « مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ » .

أخرجه أحمد (٥٢٧/٢) ، وأبو داود (٢٩٣/٢) ، والبيهقي في السنن الكبرى (٢٤٥/٥) ، وفي حياة الأنبياء (ص ١١) ، وفي الشعب (٢١٧/٢) ، وأبو نعيم في أخبار أصبهان (٣٥٣/٢) .

جميعهم من طريق أبي صخر حميد بن زياد عن يزيد بن عبد الله ابن قسيط عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال : ما من أحد يسلم علي إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام .

أبو صخر حميد بن زياد قال عنه أحمد وابن معين : لا بأس به ، ووثقه الدارقطني وابن حبان وقال البغوي : مدني صالح الحديث .

وقال ابن عدى : وهو عندي صالح الحديث .

وضعه يحيى بن معين في رواية وكذا النسائي ، ووثقه ابن شاهين ، وذكره الذهبي في جزء من تكلم فيه ، وهو موثق (ص ٧٣) .

ثم وثقه من اتفق الأئمة على قبول توثيقه والعمل بمقتضاه ، فقد أخرج له مسلم في صحيحه .

فالرجل حسن الحديث على الأقل فلا تلتفت لتشغيب ابن عبد الهادي ،

فإنه جعل الاختلاف في اسم وكنية الراوى سبباً لرد حديثه ، ولو كان الاختلاف في الاسم والكنية سبباً لتضعيف الراوى لفتح باب جديد لتضعيف الرواة ، وعند ذلك فللعقلاء أن يقولوا : رحمة الله على الحديث وعلومه ، فكم من راوٍ اختلف في اسمه وكنيته ، وهو ثقة ، وكم من راوٍ اتفق على اسمه وكنيته وهو ضعيف .

والحاصل أن حميد بن زياد حسن الحديث .

أما يزيد بن عبد الله بن قسيط فقد اجتج به الجماعة ووثقة النسائي وابن حبان وابن عبد البر وغيرهم ، وقال ابن معين : لا بأس به .
فالحديث حسن بهذا الإسناد . والله أعلم .

٣٣ - أخرج الحاكم في المستدرک (٢/٥٩٥) من طريق محمد بن اسحاق عن سعيد بن أبي سعيد المقبري عن عطاء مولى أم حبيبة قال: سمعت أبا هريرة يقول: قال رسول الله ﷺ: « ليهبطن عيسى بن مريم حكماً عدلاً وإماماً مقسطاً ، وليسلكنَّ فجاً حاجاً أو معتمراً أو بنتهما ، وليأتين قبري حتى يسلم عليّ ولأردن عليه » .

قال الحاكم : هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه بهذه السياقة وسلمه الذهبي .

وللحديث أوجه آخر ورجح هذا الوجه أبو زرعة الرازي في العلل (رقم ٢٧٤٧) ، ولا يضر هنا عدم تصريح محمد بن إسحاق بالسمع .

٣٤ - حديث : « لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد : المسجد الحرام ، والمسجد الأقصى ، ومسجدي هذا » .

حديث صحيح له طرق متعددة عن أبي سعيد الخدرى ، وأبى هريرة ، وجابر بن عبد الله وعبد الله بن عمر وعبد الله بن عمرو بن العاص وعلی بن أبى طالب ، وأبى الجعد الضمرى ووائله بن الأسقع ، والمقدام بن معدى كرب وأبى أمامة وعمر بن الخطاب رضى الله عنهم .

أما حديث أبى سعيد الخدرى ، فأخرجه البخارى (٦٣ / ٣) ، ومسلم (٩٧٦ / ٢) ، والترمذى (١٤٨ / ٢) ، وقال : حسن صحيح ، وابن ماجه (٤٥٢ / ١) ، وأحمد (٣٤ / ٣ ، ٤٥ ، ٥١) ، وأبو يعلى (٣٣٨ / ٢) ، والحميدى (٣٣٠ / ٢) ، وابن أبى شيبه فى المصنف (٢٧٤ / ٢) ، وابن حبان فى صحيحه (٧١ / ٣) ، والطحاوى فى مشكل الآثار (٢٤٢ / ١) ، والبيهقى فى السنن الكبرى (٨٢ / ١٠) ، وأبو الشيخ فى طبقات المحدثين بأصبهان (٢٢١ / ٢) ، وأبو نعيم فى ذكر أخبار أصبهان (٨٥ / ١) ، والطبرانى فى المعجم الأوسط (١٠٣ / ٣) ، والخطيب فى تاريخ بغداد (١٩٥ / ١١) ، والواسطى فى فضائل بيت المقدس (ص ٦) والبغوى فى شرح السنّة (٣٣٦ / ٢) .

وغيرهم من طرق عن قزعة بن يحيى عن أبى سعيد الخدرى به مرفوعاً .

ولفظ البخارى وغيره : « لا تسافر المرأة مسيرة يومين إلا ومعها زوجها أو ذو محرم ، ولا صوم فى يومين : النظر والأضحى ، ولا صلاة بعد الصبح حتى

تطلع الشمس ولا بعد العصر حتى تغرب ، ولا تشد الرحال إلا إلى
 ثلاثة مساجد مسجد الحرام ومسجد الأقصى ومسجدى هذا .
 وله طريق ثان عن أبي سعيد الخدرى أخرجه أحمد فى المسند (٥٣/٣) ،
 وابن الجوزى فى فضائل القدس (ص ٩٦) من طريق مجالد بن
 سعيد عن أبي الوداك عن أبي سعيد الخدرى به مرفوعاً .
 مجالد بن سعيد وأبو الوداك هو جبر بن نوف فهما مقال
 وحديثهما يصلح للاستشهاد به على الأقل .
 وطريق ثالث أخرجه الطبرانى فى المعجم الأوسط (٢/٢٧/٢)
 من حديث عطية العوفى عن أبي سعيد الخدرى .
 وعطية العوفى سبق تفصيل الكلام عليه عند الكلام على حديث
 : « اللهم إنى أسألك بحق السائلين » .
 وطريق رابع أخرجه عبد حميد فى المنتخب من المسند (رقم ٩٤٩
 ص ١٨٠) ، وتمام فى فوائده (الروض البسام : ١ / ٣٠٠) .
 من طريق أبي هارون عمارة بن جوين العبدى عن أبي سعيد
 الخدرى مرفوعاً به .
 وعمارة بن جوين شديد الضعف ، وقال عنه الحافظ فى التقريب :
 متروك .
 وأخرج بعضه من هذا الطريق أبو يعلى الموصلى فى مسنده
 (٣٧٢/٢) .
 وطريق خامس أخرجه أحمد فى المسند (٧١/٣) عن عكرمة
 مولى زياد عن أبي سعيد الخدرى مرفوعاً به .

وطريق سادس فيه أخذ ورد أخرجه أحمد (٣ / ٦٤ ، ٩٣) ، وأبو
 يعلى فى مسنده (٤٨٩ / ٢) من طريق ليث وعبد الحميد بن بهرام
 عن شهر بن حوشب قال : أقبلت أنا ورجال من عمرة فمررنا بأبى
 سعيد الخدرى ، فدخلنا عليه فقال : أين تريدون ؟ قلت : نريد
 الطور ، قال : وما الطور ؟ سمعت رسول الله ﷺ يقول : « لا
 تشد رحال المطى إلى مسجد يذكر الله فيه إلا إلى ثلاثة مساجد :
 مسجد الحرام ، ومسجد المدينة ، وبيت المقدس . . . » الحديث .

فزاد شهر بن حوشب زيادة هى : إلى مسجد يذكر الله فيه أو إلى
 مسجد ينبغى فيه الصلاة .

ومثل هذه الزيادة محل أخذ ورد بين المحدثين ومحدثى الفقهاء
 والفقهاء .

ومن قال بقبولها الحافظ ابن حجر ، فقال فى الفتح (٦٥ / ٣) :

ويؤيده ما روى أحمد من طريق شهر بن حوشب قال : سمعت
 أبا سعيد وذكرت عنده الصلاة فى الطور ، فقال : قال رسول الله
 ﷺ : « لا ينبغى للمصلى أن يشد رحاله إلى مسجد تبتغى فيه الصلاة
 غير المسجد الحرام والمسجد الأقصى ومسجدى » .

وشهر حسن الحديث وإن كان فيه بعض الضعف . اهـ .

فهذا قول شيخ الفن وعلمه المفرد فانظره أيها المتبصر فى اعتماد
 رواية شهر بن حوشب فى شرح المراد من الحديث .

فانفراد شهر بن حوشب بهذه اللفظة لا يعنى سقوطها وردها ،
 فالرجل حسن الحديث ، كما صرح الحافظ وقبلة عدد من الحفاظ ،

ومال إلى هذا الحافظ ابن الصلاح في صيانة صحيح مسلم (ص ١٢٢) ،
وقال الحافظ الذهبي في سير النبلاء (٣٧٨ / ٤) : « والاحتجاج به
مترجح » .

وأودعه - الذهبي أيضاً - في جزء من تكلم فيه وهو موثق (ص
١٠٠) .

فإن تشددت غاية التشدد ، فإن هذه اللفظة التي انفرد بها شهر بن
حوشب هي من قبيل الرواية بالمعنى وتفسير للحديث من أحد كبار
علماء التابعين .

★ تنبيه :

حاول الألباني أن يسقط اللفظة التي انفرد بها شهر بن حوشب
بالكلية ، فقال في إروائه (٢٣٠ / ٣) :

قوله : « إلى مسجد » زيادة في الحديث لا أصل لها في شيء من
طرق الحديث عن أبي سعيد ولا عن غيره فهي منكرة بل باطلة ،
والآفة إما من شهر ، فإنه سىء الحفظ ، وإما من عبد الحميد وهو
ابن بهرام ، فإن فيه كلاماً ، وهذا هو الأقرب عندي ، فقد رواه ليث
عن شهر بدون الزيادة . اهـ .

قلت كلامه فيه نظر :

١ - فإن ما انفرد به شهر أو زاده على غيره لا يصح أن يقال له لا
أصل له ، ثم إطلاق البطلان على زيادته ، والآفة من شهر ، نعم لا
يصح أن يقال ذلك أيضاً ، فإن شهراً ما خالف مالكا وشعبة وسفيان
وأمثالهم ، وما خالف أمراً معلوماً مقطوعاً به .

ثم حديث الرجل يدور بين الحسن إما احتجاجاً أو استشهاداً فلا

يكون مثله آفة أبدأ .

على أن هذه اللفظة التي انثرد بها شهر يقبلها جمع من الفقهاء
ومحدثيهم .

٢ - قوله : وإما من عبد الحميد وهو ابن بهرام ، فإن فيه كلاماً .

اه .

قلت : نعم عبد الحميد بن بهرام فيه كلام لكن حديثه عن شهر بن
حوشب مقبول كما نص على ذلك عدد من الحفاظ .

قال أحمد : أحاديثه عن شهر مقاربة ، وقال ابن أبي حاتم عن
أبيه : هو في شهر كالليث في سعيد المقبري قلت : ما تقول فيه ؟
قال : ليس به بأس أحاديثه عن شهر صحاح لا أعلم روى عن شهر
أحاديث أحسن منها .

وقال أحمد بن صالح المصري : عبد الحميد بن بهرام ثقة يعجبني
حديثه أحاديثه عن شهر صحيحه .

وعلى ذلك فالناقد المتيقظ لا يضعف حديثاً عن شهر بن حوشب
رواه عنه عبد الحميد بن بهرام ، ومن فعل ذلك علمت أنه أوتى من
قلة اطلاع أو تعصب .

٣ - قوله : فقد رواه ليث عن شهر بدون الزيادة . اه .

قلت : بل رواه بالزيادة المذكورة ليث عن شهر بن حوشب بطريق
صحيح في مسند أبي يعلى الموصلي (٤٨٩ / ٢) ، وكان الأولى
بالألباني إبقاء الاحتمال والتعلق به بدلاً من القطع والله أعلم .

وفى هذا القدر كفاية لمن كان من أهل العناية .

وأما حديث أبي هريرة فأخرجه البخارى (الفتح ٦٣ / ٣) ،
ومسلم (١٠١٤ / ٢) ، وعبد الرزاق فى المصنف (١٣٢ / ٥) ،
والحميدى فى مسنده (٤٢١ / ٢) ، وأحمد فى مسنده (٢٣٤ / ٢) ،
٢٣٨ ، ٥٠١) ، والدارمى (٢٧٢ / ١) ، وأبو داود (٥٢٨ / ٢) ،
والنسائى (٣٧ / ٢) ، وابن ماجه (٤٥٢ / ١) ، وأبو يعلى
(٢٨٣ / ٩) ، والبيهقى فى السنن الكبرى (٢٤٤ / ٥) ، والخطيب
فى التاريخ (٢٢٢ / ٩) ، والبغوى فى شرح السنّة (٣٣٧ / ٢) .

جميعهم من طرق متعددة عن أبي هريرة .

وله رواية منكورة عن أبي هريرة أخرجه الطبرانى فى الأوسط (٢ /
ل ١١ / أ) من طريق خثيم بن مروان عن أبي هريرة قال : قال : قال
رسول الله ﷺ : « لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد مسجد
الخياف ومسجد الحرام ومسجدى هذا » .

قال الطبرانى : لم يذكر مسجد الخيف فى شد الرحال إلا فى هذا
الحديث . اهـ . قلت : فيه ضعف وانقطاع .

قال البخارى فى التاريخ الكبير (٢١٠ / ٣) : لا يتابع فى مسجد
الخياف ولا يعرف لخثيم سماع من أبي هريرة . اهـ .

وخثيم بن مروان ذكره ابن الجارود فى الضعفاء وقال العقيلى : لا
يتابع على حديثه ولا يعرف إلا به ووثقه ابن حبان ، والحاصل أن هذه
اللفظة : مسجد الخيف منكورة تفرد بها خثيم وهو ضعيف ، ولم
يسمع عن أبي هريرة .

وأما حديث جابر بن عبد الله رضى الله عنهما فأخرجه
 أحمد (٣٥٠ / ٣) ، والنسائى فى السنن الكبرى (تحفة ٣٤١ / ٢)
 وعبد بن حميد فى المنتخب من المسند (رقم ١٠٩٧ ، ص ١٩٧) ،
 وأبو يعلى فى مسنده (١٨٢ / ٤ - ١٨٣) ، وابن حبان فى صحيحه
 (٤٩٥ / ٤) ، والطبرانى فى الأوسط (٤١٥ / ١) ، والحضرمى فى
 تاريخ علماء مصر (ص ١٠٧) ، وقاسم بن قطلوبغا فى عوالى
 الليث (رقم ٣٥) .

جميعهم من طرق عن الليث بن سعد عن أبى الزبير عن جابر به
 مرفوعاً .

وقال الطبرانى فى المعجم الأوسط : لم يرو هذا الحديث عن
 الليث إلا العلاء بن موسى . اهـ .

وفيه نظر .

فقد تابع العلاء بن موسى فى المسند يونس بن محمد المؤدب ،
 وقتيبة بن سعيد فى السنن الكبرى ، وعيسى بن يونس فى صحيح ابن
 حبان ، وأحمد بن يونس فى المنتخب من مسند عبد بن حميد ،
 والحضرمى فى تاريخ مصر ، وكامل الجحدري فى مسند أبى يعلى .

فالإسناد صحيح سواء انفرد به العلاء بن موسى أو تابعه غيره .

ولم ينفرد به الليث بن سعد عن أبى الزبير .

فقد رواه عن أبى الزبير - فيما علمت - اثنان :

أولهما : ابن لهيعة أخرج هذه المتابعة أحمد فى المسند (٣٣٦ / ٣)

قال : ثنا حسن ، ثنا ابن لهيعة ، ثنا أبو الزبير عن جابر قال : قال سمعت رسول الله ﷺ يقول : « خير ما ركبت إليه الرواحل مسجد إبراهيم عليه السلام ومسجدي » .

حسن هو ابن موسى الأشيب ثقة احتج به الجماعة .

وعبد الله بن لهيعة مدلس كان قد اختلط بعد احتراق كتبه وقد صرح بالسمع .

وثانیهما : ما أخرجه البزار (كشف الأستار : ٤ / ٢) ، والطحاوي في مشكل الآثار (٢٤١ / ١) كلاهما من طريق عبد العزيز ابن عبد الله الأويسى المدني عن عبد الرحمن بن أبي الزناد عن موسى بن عقبة عن أبي الزبير عن جابر أن رسول الله ﷺ قال :

« خير ما ركبت إليه الرواحل مسجد إبراهيم عليه السلام ومسجد محمد ﷺ » ، وهذا الإسناد صحيح .

وعبد الرحمن بن أبي الزناد من تكلم فيه ففي حديث غير المدنين عنه فقط ، والراوى عنه مدنى ثقة .
وأما حديث ابن عمر رضى الله عنهما فأخرجه ابن حبان في الثقات (٤٥٩ / ٨) ، والطبرانى في مسند الشاميين (رقم ١٥٣٨) ، والعقيلي في الضعفاء (٢٥٦ / ٣) ، والضياء المقدسى في فضائل بيت المقدس (رقم ٥) .

جميعهم من طرق متعددة عن على بن يونس البلخى العابد عن هشام بن الغاز ، عن نافع عن ابن عمر عن النبي ﷺ قال :

« لا تشد المطايا إلا إلى ثلاثة مساجد مسجد الحرام ومسجدي هذا والمسجد الأقصى » .

وعلى بن يونس البلخى ذكره العقيلي في الضعفاء (٢٥٦ / ٣) وقال :

لا يتابع على حديثه وسكت عنه ابن أبي حاتم ووثقه ابن حبان
وروى عن جماعة .

واعتمد النهيemy توثيق ابن حبان لعلى بن يونس فقال فى المجمع
(٤ / ٤) : رجاله ثقات . ا هـ .

وله طريق آخر عن ابن عمر مرفوعاً بلفظ :

« لا تشد الرجال إلا إلى ثلاثة مساجد : مسجد الحرام ، ومسجد
المدينة ، ومسجد بيت المقدس » .

وشيخ الطبرانى فيه هو أحمد بن محمد بن رشدين فيه مقال
مشهور ، وبالع بعضهم فيه فكذبه .

لكن الحديث جاء موقوفاً عن ابن عمر من طرق أنظف من
الطريقين المذكورين بكثير .

فقد أخرج البخارى فى التاريخ الكبير (٢٠٤ / ٧) ، وعبد الرزاق
(١٣٥ / ٥) ، وابن أبى شيبه (٣٧٣ / ٢) . وعمر بن شبة فى
أخبار المدينة (كما فى الصارم المنكى ص ٣٤٢) .

من حديث سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار عن طلق بن حبيب
عن قزعة قال : سألت ابن عمر أتى الطور ؟ قال : دع الطور ولا
تأتها وقال : لا تشدوا الرجال إلا إلى ثلاثة مساجد .

وهذا الإسناد صحيح لا علة فيه .
وقد تابع ورقاء بن عمر سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار أخرج
هذه المتابعة البيهقى فى شعب الإيمان (١٠٦ / ٨) .

وتابعه أيضاً ابن جريج ، أخرج هذه المتابعة الفاكهى فى أخبار مكة
(٩٤ / ٢) ، وعبد الرزاق فى المصنف (١٣١ / ٥) .

وقد خالف أصحاب ابن عيينة وهم جمع من الثقات الحفاظ أحمد
ابن محمد الأزرقى ، فرواه عن ابن عمر مرفوعاً كما فى أخبار مكة

فرواية الأزرقى شاذة لمخالفتها لجمع من الثقات .

وعليه فتصحیح الألبانی لهذه الرواية الشاذة في أحكام الجنائز (ص ٢٨٧) خطأ ظاهر .
وأما حديث عبد الله بن عمرو بن العاص .

فأخرجه ابن ماجه (٤٥٢ / ١) ، والطحاوى في مشكل الآثار (٢٤٢ / ١) ، والطبرانی في مسند الشاميين (٣٠٩ / ٢) ، والفاكهي في أخبار مكة (٩٩ / ٢) ، ويعقوب بن سفيان الفسوي (٢٩٥ / ٢) .
جميعهم من طريق يزيد بن أبي مریم ، عن قزعة بن يحيى ، عن عبد الله بن عمرو به مرفوعاً وهذا إسناد صحيح .

ووقع عند ابن ماجه والطحاوى والطبرانی في مسند الشاميين عبد الله بن عمرو مقروناً بأبي سعيد الخدری .
وأما حديث علي بن أبي طالب

فأخرجه الطبرانی في الأوسط (٨ / ١٠٢) ، والصغير (١٧٣ / ١) ، ومن طريقه الضياء المقدسي في فضائل بيت المقدس (رقم ٦) .

قال الطبرانی في المعجم الصغير : حدثنا سلمة بن إبراهيم بن إسماعيل بن يحيى بن سلمة بن كهيل الحضرمي الكوفي ، حدثني أبي عن أبيه عن جده سلمة بن كهيل الحضرمي عن حجية بن عدي عن علي بن مرفوعاً .

قال الطبرانی : لم يروه عن سلمة إلا ابنه يحيى تفرد به ولده عنه .
وأشار لهذه الغرابة الضياء المقدسي .

وهذا الإسناد شديد الضعف ، فإبراهيم بن إسماعيل بن يحيى بن سلمة ضعيف وأبوه وجده متروكان .

واقصر الهيثمي في المجمع (٤ / ٣ ، ٤) على إعلاله بالأول فقط

فقال : رواه الطبرانى فى الصغير والأوسط وفيه إبراهيم بن إسماعيل
ابن يحيى الكهلى وهو ضعيف . ١ هـ .

ومتن الحديث معروف من حديث أبى سعيد الخدرى كما تقدم .
وأما حديث أبى الجعد الضمرى فأخرجه البزار (كشف الأستار
٤/٢) ، والطحاوى فى مشكل الآثار (٢٤٤/١) ، والطبرانى فى
المعجم الكبير (٣٦٦/٢٢) ، والضياء المقدسى فى فضائل بيت
المقدس (رقم ٥) .

جميعهم عن سعيد بن عمرو ، ثنا عبثر ، عن محمد بن عمرو
عن عبيدة بن سفيان ، عن أبى الجعد الضمرى به مرفوعاً .

رجاله ثقات رجال الصحيح .
وقد قال الهيثمى فى المجمع (٤/٤) : رواه الطبرانى فى الكبير
والأوسط ورجاله رجال الصحيح . رواه البزار أيضاً . ١ هـ .

وأما حديث واثلة بن الأسقع فأخرجه الضياء المقدسى فى فضائل
بيت المقدس (رقم ٧) من طريق أيوب بن مردك الحنفى عن
مكحول عن واثلة بن الأسقع به .

وقال الضياء المقدسى : لا أعلم أنى كتبه من حديث واثلة إلا من
هذا الوجه من رواية أيوب بن مردك وهو من المتكلمين فيه . ١ هـ .
وأيوب بن مردك قال عنه ابن معين : ليس بشيء .

وقال مرة : كذاب ، وقال أبو حاتم والنسائى : متروك .

ومع ضعف أيوب بن مردك ، فى الإسناد انقطاع ، فإن أيوب بن
مردك عن مكحول مرسل (التاريخ الكبير : ٤٢٣/١) .
فهذا الإسناد من قسم الواهيات .

وأما حديث المقدم بن معدى كرب وأبى أمامة رضى الله عنهما

فأخرجه أبو نعيم الأصبهانى فى الحلية (٣٠٨/٩) .

حدثنا سليمان ، ثنا موسى ، ثنا محمد بن المبارك ، ثنا إسماعيل ابن عياش ، عن زيد بن زرعة عن شريح بن عبيد عن المقدم بن معدى كرب وأبي أمامة به مرفوعاً .

في هذا الإسناد ضعف وانقطاع .

أما الضعف فبسبب موسى وهو ابن عيسى بن المنذر هكذا وقع في ترجمة محمد بن المبارك الحمصي في حلية الأولياء مراراً .
وموسى بن عيسى قال عنه الحافظ في اللسان (١٢٦/٦ - ١٢٧) :

روى عنه الطبراني وهو من قدماء شيوخه سمع منه قبل الثمانين ومائتين وكتب النسائي عنه فقال : حمصي لا أحدث عنه شيئاً ليس هو شيئاً . اهـ .

قلت : وقع سماعه في المعجم الصغير (١٠٩/٢) ، سنة ثمان وسبعين ومائتين .

وأما الانقطاع فإن شريحاً لم يدرك أبا أمامة ولا المقدم .

قال ابن أبي حاتم الرازي سمعت أبي يقول : شريح بن عبيد الحضرمي لم يدرك أبا أمامة ولا الحارث بن الحارث ولا المقدم .
اهـ (المراسيل ص ٩٠) .

وأما حديث عمر بن الخطاب فأخرجه البزار في مسنده البحر الزخار (٢٩١/١ - ٢٩٢) .

قال : حدثنا يحيى بن محمد بن السكن قال : نا حبان بن اهللال وأملاه علينا من كتابه عن همام عن قتاده عن أبي العالية عن ابن عباس عن عمر أن النبي ﷺ قال :

« لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد : مسجد الحرام ، ومسجدى هذا ، ومسجد الأقصى » .

قال البزار : وهذا الحديث لا نعلمه يروى عن عمر إلا من هذا الوجه من هذا الإسناد وهو خطأ أتى خطؤه من حبان لأن هذا الحديث إنما يرويه همام وغيره عن قتادة عن قزعة عن أبي سعيد . اهـ .

وقال الهيثمي في المجمع (٤ / ٤) :

رواه البزار ورجاله رجال الصحيح إلا أن البزار قال : أخطأ فيه حبان بن هلال . اهـ .

وحبان بن هلال (بفتح الحاء) ثقة ثبت متفق عليه لكنه خالف أصحاب همام فجعله من مسند عمر بن الخطاب والصواب أنه من مسند أبي سعيد الخدري كما تقدم .

وهكذا رواه أصحاب قتادة من وجوه .

* * *

نجز الكتاب بحمد الله تعالى ، وصلى الله وسلم وبارك على سيدنا محمد الفاتح لما أغلق ، والخاتم لما سبق ، ناصر الحق بالحق ، والهادي إلى صراطك المستقيم ، وعلى آله وصحبه في كل لحظة ونفس بعدد كل معلوم لك .

وكتب

محمود سعيد بن محمد ممدوح

عفا الله عنه

* * *

الصفحة	الموضوع
٢٢٣-٢٢٥	- دفع علة توهمها صاحب كتاب « هذه مفاهيمنا » وأخرى مشابهة لها عنه أيضاً
٢٢٧ تخريج أحاديث الزيارة
٢٢٩	١٧ - (حديث) « من زار قبري وجبت له شفاعتي » وهو حديث حسن
٢٢٩	- الحديث إسناده حسن وقد صححه عبد الحق الأشبيلي وقد صححه أو حسنه السبكي في شفاء السقام والسيوطي وآخرون تأخروا عنه
٢٢٩-٢٦٤	- الكلام على ما عُلِّلَ به هذا الحديث والكلام عليها على سبيل الإجمال
٢٣١-٢٥٠	- تفصيل الكلام في قبول حديث موسى بن هلال العبدى
٢٣١-٢٣٣	- ردّ ما قيل فيه من جهالة وتشدد ابن عبد الهادي
٢٣٣	- ابن عبد الهادي يسوي بين موسى بن هلال وبعض التالفين وهذا ظلم بين للرجل . ت.
٢٣٣-٢٣٤	- أحمد لا يروي إلا عن ثقة ومن شيوخه موسى بن هلال
٢٣٥	- موسى بن هلال حديثه مقبول حتى عند العقيلي
٢٣٦-٢٣٩	- إثبات رواية موسى بن هلال للحديث عن عبيد الله بن عمر وعن أخيه عبد الله العمري واعتراف الألباني بذلك

الصفحة	الموضوع
٢٤٢-٢٤٤	- تهويل ابن عبد الهادي ونفيه رواية موسى بن هلال عن عبد الله بن عمرو واغترار الالباني بكلامه وانرد عليه منفصلاً
٢٤٤-٢٤٣	- انرد على من ادعى اضطراب موسى بن هلال العبدى
٢٤٥-٢٤٤	- تفرد مقبول الحديث مع عدم المخالف يلزم منه قبول روايته
٢٤٥	- موسى بن هلال لم ينفرد بالحديث بل له متابع
٢٤٧	- تقعق ابن عبد الهادي رحمه الله تعالى فأخذ يضعف المتابعة ، والررد عليه
٢٥٠-٢٤٩	- الكلام على حديثين لمسلمة بن سالم الجهني
٢٥٠	- تفصيل الكلام في عبد الله بن عمر العمري ، وبيان أنه حسن الحديث ، وقد وثقه عدد من الأئمة وأن حديثه مقبول في نافع خاصة وهو هنا يروى عنه وبيان تناقض ابن عبد الهادي ، في العمري المكبر
٢٥٢-٢٥١	- ذكر جرح ابن عبد الهادي للعمري المكبر
٢٥٤-٢٥٣	- ابن حبان من المتشددين في الجرح
٢٥٥-٢٥٤	- مستند ابن حبان في جرح عبد الله بن عمر العمري ثلاثة أحاديث ذكرها واجواب عليها

الصفحة	الموضوع
٢٥٩-٢٥٥	- بيان أن أحمد بن حنبل قال عن العمري : صالح قد روى عنه الناس لا بأس به ، وأن تليته فبالنسبة لأخيه الحافظ الثقة عبيد الله فالتلين توثيق نسبي عند أهل التحقيق
٢٦٠-٢٥٩	- توثيق يحيى بن معين للعمري المكبر
٢٦٢-٢٦٠	- ابن عبد الهادي يذكر الجرح ويسكت عن التعديل ، وذكر جماعة وثقوا العجلي لم يذكرهم ابن عبد الهادي منهم أحمد بن صالح المصري والعجلي وابن شاهين والخليلي وكان ابن مهدي يحدث عنه وحسن له أبو يعلي الموصلي ويعقوب بن شيبة والترمذي وابن السكن ، وقال الذهبي : صدوق حسن الحديث وأقتصر على عبارات التوثيق في الكاشف وفي الديوان ، وأدخله في كتابه من تكلم فيه وهو موثق ، وقال السخاوي : صالح الحديث
٢٦٣	- إذا سلمنا بتضعيف العمري فحديثه مقبول عن نافع وهو هنا يروي عنه
٢٦٣	- ابن عبد الهادي يتشدد جداً في العمري ويضعفه ثم تراه يقوى حاله وينقل ما يفيد توثيقه في التنقيح
٢٦٨-٢٦٤	- ١٨ - (حديث) « من زارني في مماتي كان كمن زارني في حياتي » وهو حديث مشبه بالحسن
	- الكلام في محمد بن يحيى المأربي ، وخلاصته أنه لين

الصفحة	الموضوع
٢٦٧-٢٦٤	الحديث كما قال الحافظ في التقريب
٢٦٨-٢٦٧	- تشدد ابن عبد الهادي في المأربي
٢٧٠-٢٦٨	١٩ - (حديث) « من زارني بالمدينة محتسباً كنت له شفيعاً وشهيداً يوم القيامة » وهو حديث شبه بالحسن أيضاً
٢٧٢-٢٧٠	٢٠ - (حديث) « من أتى المدينة زائراً وجبت له شفاعتي » وهو حديث ضعيف الأسناد فقط ، فمن مجانية الصواب قول ابن عبد الهادي : إنه باطل . ثم تقليد الألباني له
٢٧٦-٢٧٢	٢١ - (حديث) « من زارني بعد موتي فكأنما رارني في حياتي . . » الحديث وهو حديث ضعيف ، وذكر تشدد ابن عبد الهادي والرد على من حكم على هذا الحديث بالكذب وتقليد الألباني له
٢٧٨-٢٧٦	٢٢ - (حديث) « من زار قبري - أو قال من زارني - كنت له شفيعاً . . » الحديث وهو حديث ضعيف الإسناد فقط وعجب من ابن عبد الهادي بتكلمه في الحافظ الكبير أبي داود الطيالسي
٢٨١-٢٧٨	٢٣ - (حديث) « من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي » وهو حديث ضعيف بل أضعف من غيره
	٢٤ - (حديث) « من حج حجة الإسلام وزار قبري

الصفحة	الموضوع
۲۸۳-۲۸۱	وغزا غزوة وصلى في بيت المقدس ، لم يسأله الله عما افترضه عليه « . ضعفه شديد جداً وبعضهم حكم عليه بالوضع ، وفي المتن نكارة
۲۸۵-۲۸۳	۲۵ - (حديث) « من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني » حكم عليه ابن الجوزي بالوضع ووافقه جماعة من الحفاظ
۲۸۶-۲۸۵	۲۶ - (حديث) « من زار قبري حلت له شفاعتي » وهو حديث ضعيف جداً
۲۸۶	۲۷ - (حديث) من زارني بعد موتي فكأنما زارني وأنا حي وفي إسناده كذاب
۲۸۷-۲۸۶	۲۸ - (حديث) من زارني ميتاً فكأنما زارني حياً « وهو من رواية سمعان بن مهدي عن أنس وهي نسخة من النسخ الموضوعة
۲۸۷	۲۹ - (حديث) : « رحم الله من زارني وزمام ناقته بيده » وهو مما لا أصل له
۲۸۷	۳۰ - (حديث) « من زارني وزار أبي إبراهيم في عام واحد دخل الجنة » وهو حديث موضوع ولا إسناده له
۲۹۱-۲۸۸	۳۱ - (حديث) « من صلى علي عند قبري سمعته ، ومن صلى علي نائياً أبلغته » وهو حديث جيد الإسناد كما قال الحفاظ ابن حجر:

الصفحة	الموضوع
٢٨٩-٢٩٠	- صرح ابن تيمية بصحة معنى الحديث بينما ضعفه لظنه تفرد محمد بن مروان السدي به وعدم وقوفه على الطريق التي جودها الحافظ ابن حجر
٢٩١-٢٩٠	- ابن عبد الهادي ذهب إلى أقصى درجات التشدد فحكم على طريق السدي التالف بأنه محفوظ والطريق الذي جودّه الحافظ بأنه منكر .. !! ..
٢٩٢-٢٩١	٣٢ - (حديث) « ما من أحد يسلم علي إلا ردّ الله عليّ روعي حتى أرد عليه » وهو حديث حسن ، وقد شغب ابن عبد الهادي على أحد رواته بما لا طائل وراءه
٢٩٢	٣٣ - (حديث) مجيء عيسى بن مريم عليه السلام القبر الشريف للسلام ورد النبي ﷺ عليه وهو حديث حسن ..
٣٠٦-٢٩٢	٣٤ - (حديث) « لا تشد الرحال » وتخرجه من عشر طرق .
٢٩٨-٢٩٥	- الكلام على زيادة شهر بن حوشب التي في المسند ونصها « لا تشد رحال المطى إلى مسجد .. الحديث » وتقرير قبولها ورد محاولة الألباني ردها وما أعقب ذلك من بيان ما في كلامه من نظر
٣٠٦	- نهاية الكتاب
٣٠٧	- المحتويات

تم بحمد الله

اللہ تعالیٰ سے تعلق بندگی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق غلامی مستحکم بنانے کیلئے امیر عالمی عربیہ اسلامیات کی دیگر علمی و تحقیقی کتب

- | | | |
|--|---|---|
| ۱- شاہکار ربوبیت | ۲۱- حضور رمضان المبارک کیسے گزارتے؟ | ۱- شاہکار ربوبیت |
| ۲- ایمان والدین مصطفیٰ | ۲۲- صحابہ کی وصیتیں | ۲- ایمان والدین مصطفیٰ |
| ۳- حضور کا سفر حج | ۲۳- رفعت ذکر نبوی ﷺ | ۳- حضور کا سفر حج |
| ۴- امتیازات مصطفیٰ | ۲۴- کیا رسول اللہ نے لوگوں کی اجرت پر بکریاں چرا کیں؟ | ۴- امتیازات مصطفیٰ |
| ۵- در رسول کی حاضری | ۲۵- حضور کی رضاعی مائیں | ۵- در رسول کی حاضری |
| ۶- ذخائر محمدیہ | ۲۶- ترک روزہ پر شرعی وعیدیں | ۶- ذخائر محمدیہ |
| ۷- محفل میلاد پر اعتراضات کا علمی محاسبہ | ۲۷- عورت کی امامت کا مسئلہ | ۷- محفل میلاد پر اعتراضات کا علمی محاسبہ |
| ۸- فضائل عظیم حضور | ۲۸- عورت کی کتابت کا مسئلہ | ۸- فضائل عظیم حضور |
| ۹- شرح سلام رضا | ۲۹- منہاج النہو | ۹- شرح سلام رضا |
| ۱۰- حبیب خدا سیدہ آمنہ کی گود میں | ۳۰- منہاج المنطق | ۱۰- حبیب خدا سیدہ آمنہ کی گود میں |
| ۱۱- نور خدا سیدہ حلیمہ کے گھر | ۳۱- معارف الاحکام | ۱۱- نور خدا سیدہ حلیمہ کے گھر |
| ۱۲- نماز میں خشوع و خضوع کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ | ۳۲- ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم | ۱۲- نماز میں خشوع و خضوع کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ |
| ۱۳- حضور نے متعدد نکاح کیوں فرمائے؟ | ۳۳- ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ششم | ۱۳- حضور نے متعدد نکاح کیوں فرمائے؟ |
| ۱۴- اسلام اور تحدید ازواج | ۳۴- ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم | ۱۴- اسلام اور تحدید ازواج |
| ۱۵- اسلام میں چھٹی کا تصور | ۳۵- ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم | ۱۵- اسلام میں چھٹی کا تصور |
| ۱۶- مسلک صدیق اکبر - عشق رسول | ۳۶- ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم | ۱۶- مسلک صدیق اکبر - عشق رسول |
| ۱۷- شب قدر اور اس کی فضیلت | ۳۷- ترجمہ اشعث اللغات جلد ششم | ۱۷- شب قدر اور اس کی فضیلت |
| ۱۸- صحابہ اور تصور رسول | ۳۸- صحابہ اور محافل نعت | ۱۸- صحابہ اور تصور رسول |
| ۱۹- مشفقان جمال نبوی کی کیفیات جذب و مستی | ۳۹- صحابہ کے معمولات | ۱۹- مشفقان جمال نبوی کی کیفیات جذب و مستی |
| ۲۰- اسلام اور احرام والدین | ۴۰- خواب کی شرعی حیثیت | ۲۰- اسلام اور احرام والدین |
| ۳۱- مزاج نبوی ﷺ | | |
| ۳۲- تبسم نبوی ﷺ | | |
| ۳۳- گریہ نبوی ﷺ | | |
| ۳۴- مجلس نبوی ﷺ | | |
| ۳۵- فضائل و برکات زمزم | | |
| ۳۶- اللہ اللہ حضور ﷺ کی باتیں | | |
| ۳۷- جسم نبوی ﷺ کی خوشبو | | |
| ۳۸- کیا سب مدینہ کملوانہ جائز ہے؟ | | |
| ۳۹- ہر مکان کا اجلا ہمارا نبی | | |
| ۵۰- مقصد اعتکاف | | |
| ۵۱- سب رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی | | |
| ۵۲- صحابہ اور بوسہ جسم نبوی | | |
| ۵۳- رسول اللہ کے کسی عمل کو ترک فرمانے کی حکمتیں (مسئلہ ترک) | | |
| ۵۴- محبت و اطاعت رسول ﷺ | | |
| ۵۵- آنکھوں میں بس گیا سراپا حضور کا | | |